باب چہارم

معارف کے اہم مصنفین

① معارف کی ادارت کے چار ادوار

معارف کی زندگی کی مدت جولائی 1916 سے جون 1999 تک مکمل 83 سال
ہوتی ہے جو اس موقر جریدے کے چار نامور مدیروں کے مندرجہ ذیل دور نظم
و ترتیب پر محیط ہے :

ا ۔ مدیر اوّل سید سلیمان ندوی کا زمانہ جو وسط 1916 سے اواخر 1953 تک
یعنی لگ بھگ 37½ برس شمار کیا جائے گا ۔

1943 کے شذرات سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے مولانا عبدالماجد دریا بادی بھی ادارت میں
شامل رہے ۔ کتنا عرصہ، یہ واضح نہیں ۔ البتہ 1920 میں سید صاحب کے سفر یورپ
کے زمانہ میں 8 مہینے تک مولانا عبدالماجد دریا بادی کی ادارت ثابت ہے ۔

جولائی 1946 میں سید صاحب بھوپال کے امور مذہبی کے افسر اعلیٰ ہو کر چلے گئے مگر رسالہ کی
نگرانی جاری رہی ۔ ان کی عدم موجودگی میں شاہ معین الدین احمد ندوی ان کا کام سنبھالتے رہے ۔
ایک سال کے لئے 1947 میں سید ریاست علی ندوی نے بھی ان کا کام سنبھالا ۔

1949 سے شریک مرتب کے طور پر شاہ معین الدین صاحب کا نام باقاعدہ طور پر آنے لگا ۔ حالانکہ
اب سراسر ترتیب انھیں کی ہوتی تھی، بلا شرکت غیرے ۔

1951 میں سید صاحب کے پاکستان چلے جانے کے بعد بھی سال ڈیڑھ سال بعد شاہ صاحب کا
نام مرتب کی حیثیت سے آیا ۔

سید صاحب کے دور ادارت میں شاہ صاحب ایک مخلص رفیق اور جانثار شاگرد کی طرح سید صاحب
کے دست راست بنے رہے، یہاں تک کہ دو عظیم شخصیات کے طویل عرصہ کے باہم ربط و ضبط
کے نتیجے میں OBJECT اور IMAGE ایک دوسرے کے وجود میں اس طرح CONCIDE
کر گئے کہ بقول سید صاحب من اور تو کا فرق معدوم ہو گیا ۔

۲ ۔ مدیر دوم شاہ معین الدین احمد ندوی کا زمانہ جس کے اعداد و شمار کا تعین قواعد و
ضوابط کے مطابق سید صاحب اور شاہ صاحب کے وفیات کی درمیانی مدت یعنی 1954 سے
1974 تک لگ بھگ 21 برس کیا جائے گا ۔

۳ ۔ مدیر سوم سید صباح الدین عبدالرحمٰن کا زمانہ 1974 سے 1987 تک لگ بھگ
13 برس ہے ۔ اس دور کے ابتدائی چند سال مولانا عبدالسلام قدوائی معاون مدیر کی حیثیت کام

کرتے رہے اور نہایت عمدہ شذرات اور وفیات لکھتے رہے ۔ معارف کے سرورق پر بحیثیت مرتب سید صباح الدین عبدالرحمن کے نام کے ساتھ ان کا نام بھی شامل رہا ۔

۴ ۔ مدیر چہارم مولانا ضیاءالدین اصلاحی کا زمانہ 1988 سے ۱۹۹۹ کے وسط تک کم و بیش $11\frac{1}{2}$ برس ہوتا ہے ۔ دارالمصنفین کے ناظم اعلیٰ اور کاروان معارف کے قائد کی حیثیت سے ان کا علمی، ادبی اور صحافتی سفر نہ صرف یہ کہ جاری و ساری ہے بلکہ فرحت و شادمانی کے ساتھ اپنے جادۂ منزل کی طرف رواں دواں اصلاحی کارگزاریوں کی دوسری دہائی میں قدم رکھ چکا ہے ۔ دائم شگفتہ باد ترا گلستان عمر (طالب آملی)

83 سال کے اس طویل عرصے میں ہر نیا قائد قدآور شخصیت کا مالک بنا رہا ۔ انفرادی خصوصیات کے لحاظ سے پُرکشش، جاذب نظر اور مقبول عوام و خواص ۔ ہوائیں موافق اور سازگار رہیں یا تند و تیز اور غیر موافق، زمین نرم اور ہموار ملی یا پتھریلی اور سنگلاخ، ہر ایک نے اپنے اپنے عہد میں ہمت و مستعدی کے تیشے سے چٹانوں کو پھاڑ کر علم و فن کے جوئے شیر کے فرہاد کا رول ادا کیا ۔ پتھر اور مٹی کی گود سے سونا نکالتے رہے اور باقی ماندہ مٹی کو پھینک دیتے رہے ۔ پھونک پھونک کر سنبھل سنبھل کر محتاط چال سے جادۂ منزل کی طرف رواں دواں رہے ۔ خوف زدہ اور ہراساں نہیں ہوئے، ہشاش بشاش اور پُرامید رہے ۔ کبھی ہوا کا کبھی اپنا رخ بدل کے چلتے رہے ۔ اس لئے کہ بقول شخصے :

کبھی ہوا کا کبھی اپنا رخ بدل کے چلو + یہ دور برق و شرر ہے سنبھل سنبھل کے چلو
(ظہیر کاشمیری)

جہاں بینی ہر ایک کی فطرت کا خاصہ بنی رہی لیکن کسی نے بھی کسی آڑے وقت میں کسی جمشید کا ساغر بننے کی پیشکش کو قبول نہیں کیا اور عمل سے ثابت کر دیا :

جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن + کسی جمشید کا ساغر نہیں میں (اقبال)

اردو صحافت کے آسمان کے درخشندہ ستارے بن کر چمکتے رہے اور بھٹکے ہوئے قافلوں کی رہنمائی کا کام کرتے رہے ۔ علم وفن کے بحرِ ذخار کے مینارۂ نور ثابت ہوئے اور ملک و ملت کے سفینۂ حیات کو ہلاکت و بربادی سے بچانے کی حتی الامکان سعی و کوشش میں مصروف و مستغرق رہے ۔

الغرض معارف کی عظمت کو چار چاند لگانے میں اس کے مذکورہ بالا چاروں مدیروں (سید سلیمان ندوی + شاہ معین الدین احمد ندوی + سید صباح الدین عبدالرحمن + مولانا ضیاء الدین اصلاحی) اور درمیانی مدتوں میں کام کرنے والے چار معاون مدیروں (مولانا عبدالماجد دریابادی + شاہ معین الدین احمد ندوی + سید ریاست علی ندوی + مولانا عبدالسلام قدوائی) کا بہت بڑا ہاتھ ہے ۔ نتیجے کے طور پر ایک طویل عرصہ سے یہ صحیفے قبول کے ہاتھوں سے لیے جاتے ہیں اور ادب کی آنکھوں سے پڑھے جاتے ہیں ۔ چونکہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ اس کے مضامین کو مرتبین بڑی محنت سے تیار کرتے ہیں اس لیے ان کی کوشش بھی یہی رہتی ہے کہ ان کے خونِ جگر کا کوئی قطرہ ضائع نہ ہونے پائے ۔ اردو صحافت اور زبان و ادب کی دنیا میں بہت کم رسالوں کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی ہے اور اصحابِ نظر ہر دور میں معارف کی اس انفرادیت اور خصوصیت کے قائل رہے ہیں ۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اردو زبان و صحافت کی تاریخ جب بھی مرتب کی جائے گی اور علم و ادب کے بکھرے ہوئے موتیوں کی قدر و قیمت کا تعین جب بھی کیا جائے گا مذکورہ چاروں صاحبانِ علم و فضل اور ان کے معاونین و جانشین کے نام جلی حروف میں لکھے جائیں گے ۔

④ مرتبین معارف کے محاسن و مخصوصات پر ایک نظر

○ علم و ادب کا یہ سلسلۃ الذہب اپنے اکابر کے حضور میں انتہائی مودب اور جھکا ہوا نظر آتا ہے۔ بلکہ اتنا زیادہ منکسر اور متواضع گویا ان کے مقابلے میں خود کو بالکل ہیچمداں سمجھتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ نہ صرف یہ کہ ان کے تئیں بے پناہ محبت رکھتا ہے بلکہ اپنے تمام علمی سرمایہ کو ان ہی کی جوتیوں کا صدقہ سمجھتا ہے۔ شاید اسی سعادت مندی کی برکت ہے کہ جو بھی دارالمصنفین کی نظامت اور معارف کی ادارت کی مسند پر قدم رکھتا ہے علم و عمل کے فضائل اور خصائل کے اعتبار سے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی پاسداری کے معاملے میں اپنے پیش رو بزرگوں کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور بہت جلد یہ صورت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ حروف تہجی کے مختلف ٹکڑوں میں غیر معمولی یکسانیت اور مشابہت پیدا ہو جاتی ہے مثلاً ش + س (شبلی + سلیمان) اور س + ش (سلیمان + شاہ صاحب) اور ص + ض (صباح الدین + ضیاء الدین) میں جیسے کوئی فرق ہی نہیں رہ جاتا ہے۔

○ اس طائفہ کے افراد اپنے بزرگوں کی یاد کو سینے سے لگائے اپنے مشن کی تکمیل میں مصروف عمل نظر آتے ہیں۔ وہ اس یاد رفتگاں کو اپنے حق میں قیمتی سرمایہ سمجھتے ہیں۔ خواہ زمانہ کتنا بھی بیت جائے وہ ان خوشگوار یادوں کو اپنے ذہنوں سے حذف کرنے کو تیار نہیں ہوتے بلکہ تبرکات کی طرح اپنے کلیجے سے چمٹائے رہتے ہیں۔[2] اور وراثتاً ایک دوسرے کے حوالے کر جاتے ہیں۔

○ علمی ذوق بالخصوص اسلامی علوم و فنون سے ان کا شغف اپنے منتہائے کمال پر نظر آتا ہے۔ مرتے دم تک وہ ایک طالب علم اور محقق کی طرح تعلیم و تعلم کے مشغلوں میں اور علم و حکمت کی نشر و اشاعت کے کاموں میں لگے رہتے ہیں اور ان مفردات کے لکھنے پڑھنے اور علمی استفادہ کا شغل جاری رہتا ہے۔ تمام عمر عروس علم و ادب سے ہمکنار رہتے ہیں۔ شباب کے حجلۂ عروسی اور بڑھاپے کے کنج عافیت میں کتاب کاغذ قلم اور دوات ہی شریک زندگی بنی رہتی ہے بلکہ بڑھاپے میں تو ان کا ذوق علمی اور بھی زیادہ جوان اور دو آتشہ ہو جاتا ہے۔ شمع علم کے ان پروانوں کو سب دن اور شب و روز تپش سوز و ساز ہی میں لطف ملتا ہے۔ ان کی حیثیت علوم اسلامی کے جوئے شیر کے فرہاد کی سی ہے۔[3] ایام رفتہ کی حکایات اور ذکر جمیل بیان کرتے وقت ان کے چہروں پر یا قلم کی نوک پر جیسے سرور و نشاط طاری ہو جاتا ہے۔ نہ معلوم کونسا جادو ہوتا ہے جو ان کے پیش رو ان کے وجود اور قلم پر کر دیا کرتے ہیں کہ مدتوں

کے بعد بھی شگفتگی اور فریفتگی نہ صرف یہ کہ برقرار رہتی ہے بلکہ اس کے اثرات عملی طور پر نمایاں رہتے ہیں جو ان کی زندگی کے ساتھ ہی رخصت ہوتی ہے یا تبرکات سلسلہ کے طور پر اپنے منصب نشین کو وراثت ہوتی ہے ۔ قلم پر ایسی بھرپور قدرت حاصل ہوتی ہے کہ اجمال کی تفصیل بیان کرنے کا بھی سلیقہ ہوتا ہے اور تفصیل کے اجمالی خاکہ میں دل آویزی پیدا کرنے کا بھی ۔ علوم ومعارف میں جامعیت اور دینی حکمت وبصیرت ان کی شخصیت کا نمایاں وصف ہوتا ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ اس گروہ کی کوشش اور تربیت سے فکر ونظر کے آسمان پر کیسے کیسے نیّر اعظم اور بدر کامل نمودار ہوئے ۔ یہ لوگ عام طور پر کم سخن ہوتے ہیں مگر جب علمی گفتگو کرتے ہیں تو لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سنتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر الہام ہو رہا ہے ۔ چند فقروں میں علمی حقائق اس طرح بتا دیتے ہیں کہ علوم کا دفتر نگاہ کے سامنے کھل جاتا ہے ۔ جب کوئی علمی یا تاریخی گتھی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو دو ہی چار فقروں میں پوری گتھی سلجھا دیتے ہیں ۔ کسی مضمون کا خاکہ یا کسی کتاب کی ترتیب ان کی مختصر سی ہدایتوں پر عملی طور سے ذہن میں آجایا کرتی ہے ۔ [4]

الغرض ان کی شخصیات ہر زمانہ میں ایسی باوزن اور باوقار ہوتی ہیں جو مثال اور نمونہ کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں

نو وارد ان کی صحبت میں علمی نکتہ طرازیوں کے علاوہ شرافت، اخلاق، نرمی، مہر و محبت اور روشن ضمیری کے اسباق پڑھ لیتا ہے ۔ عام طور پر ان کی علمیت کبھی نہیں رہی معلوم ہوتی ہے ۔

○ انھیں خواجہ عالم فخر موجودات سید کونین حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ورثہ میں ملتی ہے جن کے اثرات ان کی زندگی میں بھی اور زندگی کے خاتمہ کے وقت بھی نمایاں طور پر ملتے ہیں ۔ [5]

---

[1] "ناظرین مجھ کو اپنے استاذی المحترم مولانا سید سلیمان ندوی کے حضور بالکل جھکا ہوا پائیں گے، اگر وہ مجھ کو جھکا نہ پاتے تو یہ میری بدبختی ہوتی ۔ میں جو کچھ ہوں ان ہی کی خاک پا ہوں بلکہ میرا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ میں اپنی عقیدت مندی اور محبت کا جتنا اظہار کرنا چاہتا تھا اس کے لئے میرا قلم ساتھ نہ دے سکا ۔" —— مقدمہ بزم رفتگاں از سید صباح الدین

[2] شاہ صاحب کی وفات ۳ سال سے زیادہ ہوئے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آرہے ہیں، جا رہے ہیں، پکار رہے ہیں، مسکرا رہے ہیں، ان کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات، صحبتیں اور مجلسیں متحرک تصویروں کی طرح نظروں کے سامنے گھوم رہی ہیں ۔" —— مقدمہ بزم رفتگاں از سید صباح الدین

[3] "علوم اسلامی کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے؟" —— مکتوبات علامہ اقبال ص ۲۵۳

[4] بزم رفتگاں —— سید صباح الدین ص ۵۹

[5] "سید سلیمان ندوی کی وفات ربیع الاول کے مہینے میں دوشنبہ کے دن ہوئی ۔ وفات کی تاریخ میں تین دن کا فرق رہا" —— بزم رفتگاں

○ معاصرین سے محبت، صلحاء و علماء کا احترام اور قومی ہمدردی ان کی گھٹی میں پڑی ہوتی ہے اور گویا فطرت ثانیہ بن جاتی ہے اور ان کی تحریر و تقریر کے ایک ایک ٹکڑے سے رستی اور ٹپکتی ہے۔

○ فرائض کی پابندی اور بدعات سے نفور شروع زندگی سے ان کے اندر نظر آتی ہے۔ البتہ عمر کے آخری حصہ میں تزکیہ و تقرب، رغبت الی الطاعات، صلاح دل اور حصول اخلاص کے خواستگار ہونا بھی ثابت ہے۔ [6]
اور اس معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہیں کرتے ہیں۔ [7]

○ مولانا شبلی کے مزار کے مجاور کی حیثیت سے شہر کی ہنگامہ آرائیوں سے دور احاطہ دارالمصنفین کے ویرانے اور سناٹے میں اپنی پوری زندگی گزار دیتے ہیں۔ [8] اپنی مشت خاک کو اپنے اکابر کے گوشۂ دامن میں باندھ دیتے ہیں اور جو دن بہار زندگی کے پھول ہوتے ہیں انھیں بزرگوں کے آستانہ پر چڑھا دیتے ہیں۔ [9]

○ عام طور پر فطرتاً تاریخ داں اور تاریخ نویس ہوتے ہیں۔ انھوں نے اس حقیقت کو سمجھا اور اس کے تقاضے کو پورا کیا کہ ہندوستان کی محققانہ اور غیر جانب دارانہ تاریخ لکھنا آج مسلمانوں کا ایک اہم ترین فرض ہے۔ چنانچہ انھوں نے بڑی محنت اور کد و کاوش کے بعد معاصرین اور متاخرین کے لئے تاریخ کا بیش بہا سرمایہ چھوڑا۔ مے کہنہ سے نئی بوتلیں بھریں اور شراب طہور کو جدید انداز کے کاسوں میں انڈیلا۔ باوجودیکہ اس اہم خدمت کی انجام دہی کے لئے گراں قدر مصارف کی ضرورت تھی انھوں نے اپنی بے بضاعتی اور بے سروسامانی کے اس کو فراہم کیا۔ واقعہ ہے کہ ان کا اشہب قلم تاریخ کے میدان میں سرپٹ دوڑتا ہے۔ تاریخ ہند ہو یا تاریخ عالم یا تاریخ اسلام۔ یہ لوگ خامہ فرسائی کرنے میں فنکارانہ مہارت رکھتے ہیں۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ برصغیر کے علماء، صلحاء اور صوفیاء کے کارناموں کو اجاگر کیا بلکہ مسلم سلاطین اور ان سے وابستہ افسران اعلیٰ کے کردار کو بھی نمایاں کیا۔ باوجودیکہ ان کی حکمرانی کا طرز اور فرماں روائی کا اصول خالصتاً اسلامی نہ تھا اور نہ ان کے ماتحت افسران اپنے مفتوحہ علاقوں کے ساتھ اسلامی طریقہ کا لحاظ رکھتے تھے اور نہ صلح و جنگ فتح و غنیمت اور محاصل و مداخل کے اصول اسلامی تھے لیکن چونکہ ان ہی کی وجہ سے علماء صلحاء اور مشائخ کو قدم جمانے کا موقع ملا اور باوجودیکہ ان کے درباروں کی فضا اسلامی نہیں رہی لیکن ان ہی کے سہارے اس سرزمین پر اسلام پھل پھول سکا اور باوجودیکہ انھوں نے تبلیغ اسلام کی کوئی کوشش نہیں کی لیکن ان ہی کی بدولت مبلغین اسلام کی کوششیں بارآور ہوتی گئیں اور باوجودیکہ وہ امر و نواہی کے تو زیادہ پابند نہیں رہے لیکن جہاں حمیت اسلام کا سوال پیدا ہوا وہاں ان کی دینی غیرت بروئے کار آجاتی تھی، اس لئے ان کے کارناموں کو پیش کرنا بھی ان حضرات نے ضروری سمجھا۔

چونکہ فطرتاً محقق واقع ہوتے ہیں اس لئے بقول مولانا شبلی چیونٹیوں کی مانند علمی و تحقیقی دانوں کو اکٹھا کرنے میں لگے رہتے ہیں ۔ مولانا شبلی فرماتے تھے کہ تحقیقی کام کرنا چیونٹیوں کے منہ سے شکر کے دانے چن چن کر مٹھائیاں تیار کرنے سے کم مشکل نہیں ۔ [10] علمی استعداد کے ساتھ ساتھ ادبی ذوق کے بھی حامل ہوتے ہیں ۔ مولانا شبلی ادب کو کوئی فن نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کو علمی دسترخوان کی چٹنی قرار دیتے رہے ۔ کہتے کہ جس طرح سنگین کھانوں کے ساتھ زبان کا ذائقہ بدلنے کے لئے چٹنی کے چٹخارے لئے جاتے ہیں اسی طرح علم کی سنگینی میں ادب چٹخارے کا کام دیتا ہے ۔ [11] مولانا شبلی مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریروں کے قائل تھے ۔ کہتے تھے کہ وہ خود تو ایجاز کے بادشاہ ہیں اور مولانا آزاد اطناب کے بادشاہ [12] یعنی وہ تو پھیلی ہوئی چیزوں کو اچھی طرح سمیٹ کر لکھ دیتے ہیں لیکن مولانا آزاد سمٹی ہوئی چیزوں کو پھیلانا خوب جانتے ہیں ۔ چنانچہ ثابت ہے کہ مولانا شبلی کی مذکورہ علمی صفات و نظریات کے یہ لوگ بھی یکے بعد دیگرے اور نسل بعد نسل حامل رہے ۔ یہ لوگ اپنی تحریروں کو نوک سوزن اور نیش خار سے آلودہ کرنا گوارہ نہیں کرتے ۔ اس کو شرافت اخلاق کے موتیوں سے جھلملاتا دیکھنا پسند کرتے ہیں ۔ البتہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف کوئی تحریر دیکھتے ہیں تو ان کا قلم بے قابو ہو جاتا ہے اور اس سے ایسی زہریلی تحریر نکل پڑتی ہے کہ سات سمندر کا پانی بھی اس کے زہر کو زائل نہیں کر سکتا ۔ [13]

---

[6] "ہم تو بندوں کی رضامندی اور ناراضی میں گرفتار ہیں ۔ مالک کی رضامندی اور نارضامندی کی کس کو فکر ہے ۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے صحیح راستہ پر لگا دے" ـــــ بزم رفتگاں ص ۱۲۶ + حیات سلیمان ص ۶۸۵

[7] سید صاحب نے مولانا اشرف علی تھانوی سے شرف بیعت کے بعد گھر سے باہر تک اعتراضات کی شکل میں جو طوفان کھڑا ہوا اس کی مطلق پرواہ انہوں نے نہیں کی ۔ حیات سلیمان ص ۶۸۵

[8] "ایک بار مسلم یونیورسٹی کے شعبہ دینیات کی پروفیسری قبول کرنے کے لئے سید صاحب کو اصرار کیا گیا تو فرمایا کہ دار المصنفین کو کیا کروں گا ۔ بعض ذمہ دار اشخاص نے تجویز کیا کہ یہ ادارہ بھی وہاں منتقل کر دیا جائے ۔ جواب دیا پھر استاد مرحوم کا مزار کس کے حوالہ کروں گا" ـــ بزم رفتگاں ص ۱۲۴

[9] معارف کے چاروں نامور مدیران اپنے عہد جوانی سے دار المصنفین کی خدمت کر رہے ہیں مثلاً مولانا شبلی کی وفات کے وقت مولانا سید سلیمان ندوی کی عمر 35 برس تھی ـــ حیات سلیمان ـــ شاہ معین الدین ندوی ص ۴ + ۸۰

[10] تا [13] } مجموعہ معارف پنج سالہ مرتبہ ڈاکٹر سلیم ص ۱۱۰ تا 115

○ ایک بڑی خوبی سیر چشمی اور استغنا ہے ۔ صداقت کے طور پر چھوٹی بڑی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں ۔ [17]

○ تشخص پسندی کا مادہ شبلی سے ملتا ہے ۔ اپنی فضیلت اور برگزیدگی کی داد لینے اور اپنے عالمانہ استدلال اور عارفانہ نکتہ وری کی تعریف و تحسین کے معاملے میں عام طور پر مستغنی اور بے نیاز رہتے ہیں بلکہ اپنے ہم عصروں کے اوصاف و کمالات کی داد دینے میں بڑے فیاض ہوتے ہیں ، یہاں تک کہ بسا اوقات قصیدہ خواں نظر آتے ہیں ۔ اپنے ہم چشموں کو اپنے کسی طور طریقے سے تکلیف پہونچانے سے حتی الامکان گریز کرتے ہیں ۔ سیر چشمی ، رواداری ، جوہر شناسی ، قدر دانی ، مخلصانہ فراخ دلی ، شگفتہ مزاجی اور شیریں بیانی ان کے عادات و خصائل میں عام طور پر نمایاں نظر آتی ہے ۔ نمود و نمائش کی آلودگیوں اور آلائشوں سے بھی اپنے وجود کو پاک و صاف رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ان کے شاداں و فرحاں طبائع میں کسی کی دل آزاری کی گنجائش بہت کم رہتی ہے ۔

○ عمومی مجالس اور بے تکلفانہ محفلوں میں بھولے بھالے دیہاتی قسم کے لوگ معلوم ہوتے ہیں مگر جب باتیں کرتے ہیں تو چوٹی کے صاحب علم اور ادیب معلوم ہوتے ہیں ۔ لیپ پوت یا لگی لپٹی باتیں کرنا ان کے مزاج کے خلاف ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ لیپ پوت کی باتیں وہ کرتا ہے جس کے اندر کوئی غرض ہوتی ہے ۔ حالانکہ زمانہ کی روش کے مطابق عوام تو عوام خواص کا مزاج بھی کچھ اس طرح کا بن چکا ہے کہ چاہتے ہیں کہ کچھ سے یہ بھی خوش رہے اور وہ بھی خوش رہے ۔ اس طرح کی منافقت اور دورخے پن سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے سینے کے داغ کاغذ کے صفحات پر لالہ بن کر نمودار ہوتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر ان کی تحریریں دہکتی ہوئی آگ

---

[17] "ایک بار علماء کے ایک اجتماع میں شرکت کے لئے پشاور تشریف لے گئے ۔ نواب زادہ سر عبدالقیوم نے تمام علماء کو اپنے یہاں مدعو کیا اور دعوت کے بعد ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ ملاقات کی ۔ جب سید صاحب ان سے رخصت ہونے لگے تو مصافحہ کرتے وقت سو روپے کا ایک نوٹ ان کے ہاتھ میں دیدیا ۔ مہمان نوازی کا یہ اخلاق سید صاحب کو پسند نہ آیا لیکن وقت میں خاموش رہے اور نوٹ واپس نہ کر سکے مگر لکھنؤ آکر یہ رقم دارالعلوم ندوہ کو دیدی اور اس کی باضابطہ رسید سر عبدالقیوم کے پاس بھجوادی " ـــــ یاد رفتگاں ص۱۴۲

اور کڑکتی ہوئی بجلی بن جاتی ہیں ۔ یہ لوگ چمنستان اردو کے سدا بہار پھول ہیں ۔ علم و ادب کے کسی بھی موضوع پر اور کسی بھی عنوان کے تحت لکھیں ان کا قلم طاؤس کی مانند رقص کرنے لگتا ہے ۔ یہ قلم خوش خرام جب ایک بار چل پڑتا ہے تو پھر رکنے کا نام نہیں لیتا ۔ ان کی تحریروں میں لفظی کاریگری اور ملمع سازی کی بجائے بے ساختگی ، برجستگی اور سبک روی ہے ۔ عربی و فارسی اور اردو کلاسیکل شعراء اور ادیبوں کے غوامض کو اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے کوئی جوہری اپنے جواہرات کی خوبیاں بیان کرتا ہے ۔

○ انھوں نے غلامی کے دور کی گھٹن بھی محسوس کی اور دور استبداد کے غیر ضروری دباؤ کو بھی برداشت کرنے پر مجبور ہوئے ، پھر آزاد جمہوری فضاؤں کے نام نہاد فرحت بخش جھونکوں سے بھی لطف اندوز ہوئے اور آزادی کے بعد مسلمانوں کی آبادیوں کے رخ پر چلنے والی یخ بستہ ہواؤں اور باد سموم کے تھپیڑوں کو بھی برداشت کیا ۔ لیکن آزادی کی فراخی اور انشراح اور غلامی کی تنگی اور انقباض کے متضاد فرق کو اپنے قول و قلم سے نمایاں کرنے میں جھجک محسوس نہیں کی اور مختلف ادوار میں پیدا شدہ قومی مسائل اور ان کی مختلف نوعیتوں کے ضمن میں اعتدال پسندانہ موقف کو اپنانے اور صحت مند صحافت کی روایات کو برقرار رکھنے کی حتی الامکان کوشش کرتے رہے ۔ آئندہ کے سطور میں ہم انہی مسائل کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے ۔

سید صاحب کا زمانہ معارف کی زندگی کا سنہرا زمانہ ہے ۔ باوجود اس حقیقت کے کہ یہ پورا دور برصغیر کی سیاست کا نہایت پیچیدہ اور ہنگامی دور ہے بلکہ ظالمانہ ذہنیت اور جابرانہ جبر و استبداد اور اثرات کا زمانہ ہے ۔ پھر بھی

آج کے حالات اور مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانانِ ہند کے نقطۂ نظر سے آج کے جمہوریت پسند دور کی بہ نسبت بدرجہا بہتر اور غنیمت زمانہ کہا جائے گا کیونکہ اس دور کے بعد تو بقول شخصے اس بات کا ڈر اور احساس پیدا ہوگیا تھا

مجھے ڈر ہے کہ اس ناپاک تر دورِ سیاسی میں
بگڑ جائے کہیں میرا نہ فکرِ شعر و فن ساقی (جگر)

یہ وہ دور تھا جب ہندوؤں اور مسلمانوں کے سیاسی رہنما حصولِ اقتدار کے لئے سیاسی نقطۂ نظر سے مختلف المزاج نظر آتے ہیں لیکن سماجی اور عوامی سطح پر اتنے زیادہ مربوط اور مشترک ہیں اور امن و آشتی اور ہم آہنگی کے ایسے شاندار مظاہرے پیش کرتے ہیں جن کا دوبارہ معرضِ وجود میں آنا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مختلف سیاسی جماعتوں کے عظیم لیڈروں کے مابین ربط و ضبط اور میل ملاپ کی وضعداریوں کے ایسے واقعات پڑھنے کو ملتے ہیں جو اب قصہ پارینہ بن چکے ہیں۔ ؎15 نہرو رپورٹ کے پنڈت موتی لال نہرو کی شخصیت کو سیاسی دنیا ایک مخصوص رنگ میں دیکھتی ہے اور محترم ہوتی ہے لیکن دارالمصنفین کے دسترخوان اور شبلی منزل کے قیام و طعام کی جھلکیاں کچھ اور ہی تاثر پیش کرتی ہیں۔ یہی حال پنڈت مدن موہن مالویہ جیسے لوگوں کا ہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ اور دارالمصنفین جیسی جگہوں پر نیم مسلم دکھائی پڑتے ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی بات تو سب سے نرالی اور اچھوتی ہے۔ مذکورہ بالا ہستیوں کے نہ صرف یہ کہ مشاہیر مسلمانوں سے انتہائی قریبی مراسم اور روابط ہیں بلکہ ان کے گھروں اور کوٹھیوں پر اندر سے باہر تک ملازمین، معتمدین اور احباب کے حلقوں میں مسلمانوں کا اس طرح خلط ملط ہے اور ان کی تہذیب و ثقافت پر اسلام اور اردو زبان کی ایسی چھاپ ہے بلکہ عربی و فارسی کے اتنے گہرے اثرات ہیں کہ اگر ناواقف انھیں کسی بے تکلف محفل میں دیکھے تو مسلمان سمجھ بیٹھے۔ صدیوں کی روایات کی حامل اس گنگا جمنی تہذیب کو دیکھنے کے لئے اب آنکھیں ترستی ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ باوجود جہالت اور ناخواندگی میں آج کی بہ نسبت کئی گنا اضافہ کے علم اور علم دانوں کی قدر دانی کا بول بالا نظر آتا ہے بلکہ ہر صاحبِ نعمت کی قدر و منزلت کا زمانہ ہے۔ اس وقت ہر سطح پر مردم آزاری کی بجائے مردم شناسی کا جذبہ کارفرما تھا۔ شرافت، مروت، اخلاق، محبت کے مظاہرے عام تھے۔

؎15 بزمِ رفتگاں ــــ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ص ۲۹ تا ۴۱

مذہبی اور اخلاقی قدروں کی ارزانی اور فراوانی تھی ۔ حق پرستی، حق گوئی اور حق پسندوں کی حمایت برقرار تھی ۔ ندرت و ایثار کے مشاہدات عام تھے، دلجوئی و دلداری کے معاملے میں شاہ و گدا یکساں نظر آتے تھے ۔ یہاں تک کہ تقسیم وطن کے زہر آلود ماحول نے بھی اعلیٰ قدروں اور عمدہ صفات کو یکسر معدوم نہیں ہونے دیا ۔ لیکن پھر دھیرے دھیرے جیسے ہوا ہی ایکدم سے بدلتی چلی گئی ۔ پورے ملک میں اور پوری قوم میں فرقہ پرستی اور تعصب و تنگ نظری کا زہر گھل گیا ۔ شاہ معین الدین ندوی اور سید صباح الدین عبدالرحمٰن کا زمانہ آتے آتے دنیا ہی بدل گئی ۔ ان دونوں حضرات کو اپنے دور نظامت و ادارت میں ان پیش آمدہ مسائل کا تصور بھی نہیں تھا ۔ اس وقت ایک سب سے بڑا مسئلہ تقسیم وطن سے پیدا شدہ مسائل کا تھا جس سے بھارت کی اردو صحافت براہ راست بری طرح متاثر تھی ۔ تقسیم ملک کے بعد انتشار اور افراتفری کے سبب اردو داں عوام و خواص کا بڑا طبقہ ہجرت کر گیا تو باقی ماندہ افراد مایوسی کے اس طرح شکار ہوئے کہ انھوں نے اردو کا استعمال ترک کر دیا ۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اول تو آزادی کے بعد آزاد بھارت ورش میں اردو کا وہ مقام نہ رہا جو آزادی سے قبل تھا ۔ دوسرے اردو والوں نے ازخود اردو کا پڑھنا لکھنا اور استعمال کرنا ترک کر دیا جس کی بنا پر اردو کے حق میں رہی سہی امیدیں بھی ختم ہو گئیں ۔ 1947 سے قبل اتر پردیش دہلی اور پنجاب میں اردو زبان کا بول بالا تھا ۔ پنجاب تقسیم ہو گیا ۔ ہندوستانی پنجاب میں اردو بولنے والوں کی اکثریت تباہی و بربادی کا بری طرح شکار ہوئی ۔ بیشتر افراد ہجرت کر گئے ۔ اس طرح پنجاب اردو سے خالی ہو گیا ۔ دہلی میں بھی وہی کچھ ہوا جو پنجاب میں ہوا تھا ۔ اتر پردیش میں پنجاب اور دہلی جیسے حالات تو نہیں ہوئے لیکن مایوسی اور محرومی کے سبب بڑی آبادی نے ہجرت کی ۔ اس طرح جہاں اردو کا بول بالا تھا وہاں اردو کا وجود خطرے میں پڑ گیا ۔ 1947 میں آزادی تو مل گئی مگر اس کی گرد سے لپٹی ہوئی کئی ناکامیاں اور صدمے بھی ہاتھ آئے ۔ نظریاتی تصادم بلکہ تنگ نظری اور تعصب نے دونوں ممالک میں بڑے پیمانے پر نہایت شرمناک اور بہیمانہ واقعات کو جنم دیا ۔ جذباتی طور پر دونوں طرف کے کئی ادیبوں اور دانشوروں کے ذہنوں کو شدید جھٹکا لگا اور احساسات بری طرح مجروح ہوئے ۔ صدیوں پرانے سیکولرزم کے جذبے کو سخت دھکا پہنچا ۔ آئین میں جس فرضی اور نام نہاد سیکولرزم

کو قوم کی بنیاد بلکہ ریڑھ کی ہڈی مان کر شامل کر لیا گیا اس کا عملی ثبوت خود ہمارے مخلص اور نامور رہنماؤں کی کتابِ زندگی میں مفقود ہے تو اس صورت حال کے لئے عوام کو کیونکر قصور وار ٹھہرایا جائے ۔

اس لئے معارف کی ادارت کے مذکورہ بالا چاروں ادوار کی پیش رفت سماجی و سیاسی نقطۂ نظر سے، مذہبی اور اخلاقی سطح پر اور علمی و عملی لحاظ سے بتدریج انحطاط کی طرف مائل نظر آتی ہے ۔ نتیجہ کے طور پر بعد میں آنے والا ہر مدیر اپنے پیش رو سے زیادہ دشوار گزار مسائل سے گھرا ہوا نظر آتا ہے لیکن یہ معارف کی خوش قسمتی ہے کہ اس کو جو بھی خدمت گزار ملے وہ صلاحیت اور ایثار پسندی کے معاملے میں اپنے پیش رو کی کاربن کاپی بنے رہے اور معیاری و مخلصانہ اوصاف و کمالات سے پوری طرح مزین ــــ ہر ایک کی علمی استعداد اور عملی قوت برداشت اپنے بعد کے آنے والوں کے لئے مثال اور نمونہ بنی رہی ۔ شذرات اور وفیات کے عنوانات ہوں یا معارف کے دیگر ابواب اور موضوعات ، ہر دور میں معارف کا روایتی انداز اور معیار برقرار رہا اور قارئین و قدر دانوں کو مایوسی و دوری کا دن دیکھنا نہیں پڑا ۔ شذرات جو دراصل اس موقر جریدے کا ایڈیٹوریل ہے اور معارف کے مشن اور پالیسی کا ترجمان ہے بلکہ اس کی روح رواں اور جان ہے اس کے کالموں میں ملکی مسائل پر لکھنا اور حالات حاضرہ پر تبصرہ کرنا گزشتہ ادوار کی بہ نسبت زیادہ سخت اور دشوار مرحلہ بن چکا ہے ۔ "گویم وگرنہ گویم" ایک ایسا ٹیڑھا مسئلہ ہے کہ اگر لب کشائی کرتے ہیں تو کسی نہ کسی پہلو سے انحراف اور مخالفت کا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے اور اگر چپ سادھ لیتے ہیں اور مسئلہ سے چشم پوشی کرتے ہیں یعنی ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کو اختیار کرتے ہیں تو بھی طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں ۔ کسی بھی طرح چین اور سلامتی نصیب نہیں ۔ حق گوئی کا معیار بدل چکا ہے بلکہ یہ تو خالص منافقت کا دور ہے ۔ آج کے دور میں دشمن کے سینے پر وار نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی بات سوچی جاتی ہے ۔ میدان کارزار میں دو بدو اور آمنے سامنے آنے کے بجائے مخصوص حکمت عملی کے تحت کمین گاہوں سے حملے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں ۔ ہر سطح پر اور ہر جگہ قدر دانوں اور نظر شناسوں کا ایسا قحط الرجال ہے کہ کسی بھی صحیح بات کو سمجھنے اور ماننے کے لئے عام طور پر ذہن تیار نہیں ہوتا ۔ ایوان حکومت سے لیکر خستہ حال سماجی بستیوں تک عجیب طرح کی افراتفری نظر آتی ہے اور خارجی محاذ سے لیکر داخلی محاذ تک ایسی ابتری اور پراگندگی کے مناظر مشاہدے میں آرہے ہیں جس میں ہر موثر اور مثبت

آواز صدا بہ صحرا ثابت ہو رہی ہے ۔ مسلمانوں کے اندرونی اختلافات اور منافرت کی ایسی بدترین مثالیں پیش ہو رہی ہیں جو اس سے قبل کے ادوار میں مشکل ہی سے ملتی ہیں ۔ قومی احساس و شعور کا یہ عالم ہے کہ دشمن سر پر سوار ہے بلکہ چاروں طرف سے گھیرے اور نرغے میں لئے ہوئے ہے پھر بھی اندرونی محاذ آرائی سے بڑے بڑوں کو فرصت نہیں مل پا رہی ہے ۔ ان حالات کے پیش نظر آج کے اداری اسٹاف کو جن مسائل اور دشواریوں سے گزرنا پڑے گا وہ اگر حالات کو نارمل نہ بنا سکے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ۔ اس وقت تو اپنے مشن کو جاری رکھنا ، اپنے وجود کو برقرار رکھنا ، اپنے موقف کی وکالت کرنا اور اپنی زبان و ثقافت کو زندہ رکھنا ہی اتنا بڑا سنگین مسئلہ بن چکا ہے کہ دیگر مسائل کو سوچنے کی فرصت ہی نہیں ۔ موجودہ حالات کے تناظر میں عارف جیسے بے سروسامان صحافتی اداروں سے قوم کا بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر لینا مناسب نہیں ۔ ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ بھی سوچنا ہے کہ اگر ہم سے اس کی تائید اور حمایت نہیں ہو سکتی تو تردید کا حق بھی ہمیں نہیں پہنچتا ہے ۔

(۳) معارف کے مدیر اوّل کی شخصیت کا جائزہ

ممتاز صاحبان قلم کی نگارشات کی خوبیوں کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے ان کی شخصیت کو سمجھنا بے حد ضروری ہے اس لئے کہ شخصیت کی خوبیوں اور خرابیوں میں ہی ان کی تحریری خوبیاں پنہاں ہوتی ہیں، محاسن و معائب مضمر ہوتے ہیں، تلخیاں و شیرینیاں اور رطب و یابس پوشیدہ ہوتے ہیں۔ انسانی جسم کا ایک ایک پیچ و خم نہ بولتی ہوئی تصویریں ہوتی ہیں، ان کی پیشانی کی ایک ایک لکیر ماضی و مستقبل کے واقعات کی عکاسی کرتی ہیں، ان کی چال ڈھال، وضع قطع، نشست و برخاست اور اس کا مکمل سراپا ایک طویل داستان کے ضخیم ابواب کی بے شمار کڑیاں ہوتی ہیں۔

سید سلیمان ندوی کے شذرات، وفیات اور معارف میں درج مقالات کے محاسن پر تبصرہ کرنے سے پہلے ضروری سمجھتا ہوں کہ اس خوبرو شخصیت کی کچھ جھلکیاں پیش کروں۔ اس ضمن میں سید صاحب کے معاصرین، قریبی رشتہ داروں اور ہم وطنوں نے جو خاکے پیش کئے ہیں ان میں سب سے عمدہ اور جامع خاکہ میری نظر سے ان کے قریبی عزیز اور نظر شناس ناقد سید صباح الدین عبدالرحمن کا گزرا ہے جو مندرجہ ذیل ہے اور سید صاحب موصوف کی ظاہری و معنوی شخصیت پر بہترین نقد کی حیثیت رکھتا ہے:

۱۔ سید صاحب کا ظاہری سراپا: ان کے چہرے پر نظر پڑتی تو سنجیدگی و متانت کے پھول بکھرے نظر آتے، ان کی سپیدی کچھ ایسی تھی جیسے اس کنول کا رنگ ہو جو ابھی بالکل کھلا نہیں ہے بلکہ کھلنے والا ہے، اس کے اوپر داڑھی ایسی دکھائی دیتی جیسے کسی صناع نے ریشم کے خوبصورت نرم اور باریک دھاگوں میں اپنی پوری صنعت گری دکھائی ہو، آنکھوں کی پلکیں کہتیں کہ کسی فسق و فجور کی طرف نگاہیں بھولے سے نہ اٹھی ہوں گی، لب ایسے تھے جیسے شاید کسی ناروا بات کے لئے کبھی نہ کھلے ہوں گے، پیشانی کشادہ تو نہ تھی لیکن دیکھنے والے کہہ سکتے تھے کہ یہ حقیقت منتظر کو لباس مجاز میں دیکھنے کے لئے شاید سجدوں میں ہزار بار تڑپتی رہی ہوں گی، کاندھے جھکے جھکے تھے جیسے کسی بار کو اٹھائے ہوئے ہیں اور اس سے ان کا جسم دب گیا ہو، ان کے ہم نشین اور ہم جلیس کہتے کہ یہ بار علم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، ان کی انگلیاں دیکھ کر بے ساختہ یہ کہنا پڑتا کہ یہ صرف قلم پکڑنے کے لئے ہی بنائی گئی ہیں، وہ چلتے تو معلوم ہوتا کہ وزن و وقار ان کے قدموں کو چوم رہے ہیں، وہ کھانا تناول فرماتے تو لقمے اٹھاتے وقت ایسا معلوم ہوتا کہ اللہ کی دی ہوئی نعمت کا شکر گزار ہو کر یہ لقمے منہ میں ڈال رہے ہیں، کھاتے وقت کام و دہن کی ستر پوشی کا خیال رکھتے۔ کم سنی میں عینک لگانے لگے تھے، عینک کی کمانی پسند کرتے

اپنے حسن ذوق کا ثبوت دیتے اور جب وہ آنکھوں پر لگاتے تو ان کے رخ زیبا کی وجہ سے خود عینک میں زیبائش پیدا ہو جاتی ۔ لباس آخر آخر وقت تک بہت ہی صاف ستھرا اور پاکیزہ زیب تن فرماتے ۔ شیروانی بہت اچھی سلی ہوئی پہنتے جسے وہ ان کے جسم پر ڈھال دی گئی ہو شیروانی کے کپڑے ہی کی کشتی نما ٹوپی پہنتے اور اس کے اوپر خود عمامہ باندھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ اس کی بدولت حسن ، متانت اور وقار کا تاج ان کے سر پر رکھ دیا گیا ہے ۔ [16]

۲ ۔ سید صاحب کا محبوب ہیولا : وہ 1915 میں اپنے استاد کی وصیت کے مطابق جب دارالمصنفین آئے اور اس کی میز پر بیٹھے ہوئے دکھائی دیتے تو لوگ اپنی چشم بینا سے دیکھتے کہ وہ علم وفن کے تخت طاؤس پر بٹھا دئے گئے ہیں ، اسلام کا بینا نگار اور مرجع کار تاج ان کے سر پر رکھ دیا گیا ہے ، ان کے دائیں طرف تلاش و تحقیق کے اہم مراتب ، بائیں طرف تحت دریافت کے عصا و علم ہیں ، سامنے عالمانہ نکتہ رسی ، خود ختانہ دیدہ وری اور ناقدانہ ژرف نگاہی کی نہر بہشت بہہ رہی ہے اور ان کی نظروں کے سامنے علامہ شبلی ایک بساط پر جلوہ افروز ہیں اور شراب علم کا شیشہ و ساغر لئے ساری فضا میں کیفیت میخانہ پیدا کر رہے ہیں اور اپنی فکر و نظر کی دلکشی گی کا چتر ان کے سر پر سایہ ڈالے ہوئے ہیں اور اپنی تحریر کے اسلوب اور انداز بیان کا کوکبہ بھی دکھا رہے ہیں ۔ حضرت سید صاحب اپنی میز پر سے اٹھ کر اپنے معاونوں ، ہم جلیسوں ، ہم نشینوں اور شاگردوں کے بیچ میں آکر بیٹھ جاتے تو معلوم ہوتا کہ طہارت ، نظافت ، شرافت ، تمکنت ، پاکیزگی اور سنجیدگی و احترام کا پیکر محسوس سامنے ہے اور فضا میں یہ آواز گونج رہی ہے کہ طرح نرگس کی آنکھوں سے تجھے دیکھا کرے کوئی [17]

انگریزی کی پرانی کہاوت FACE IS THE INDEX OF HEART (چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے ۔) یا EXTERIOR IS THE INDICATION OF INTERIOR (ظاہر باطن کا ترجمان ہے) سید صاحب کی شخصیت اور علم و کمالات پر صادق آتی ہے اور اس ناقابل انکار حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جسم کے خدوخال یا یوں کہئے کہ انسانی سراپا اور ظاہری حال و احوال کسی بھی شخص کے قلبی تاثرات کی ہی صاف یا کہ بھرپور جھلک پیش کرتے ہیں بلکہ اس کے اعمال و افعال اور کردار کے بھی ترجمان بھی ہوتے ہیں ۔

---

[16] + [17] مقالہ "ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے" از سید صباح الدین عبدالرحمن ص 11 تا 15
ماخوذ از کتاب "علامہ سید سلیمان ندوی" ناشر بہار اردو اکادمی پٹنہ ۔

سید صاحب نے اپنے علمی کارناموں کی بدولت اپنے وقت میں جوئے شیر اسلامیہ کے فرہاد کا لقب حاصل کیا تھا مگر اس لقب کے ساتھ ساتھ انھوں نے اپنی نگارشات کے ذریعے سے اس میں اپنی انشا پردازی کا جو قصر شیریں تعمیر کیا ہے وہ ان کا دوسرا اہم کارنامہ ہے۔ اس میں جو انداز بیان ہے وہ دنیا کے کسی عظیم ترین مصنف کے اسلوب کے مقابلے میں رکھا جا سکتا ہے۔ کسی حسین صبح، کسی رنگین شام یا کسی عنبریں رات یا کسی گلشن کے گل و سرو و صنوبر کی منظر نگاری یا بلبل کی نغمہ سرائی، سبزہ زاروں کی لہلہاہٹ، دریا کے موجوں کی روانی، ایک عاشق نامراد کے سوز کی تپش دل اور سوز جگر یا کسی مہوش کی محفل میں پروانوں کے ماتم کی مرقع آرائی کرنے میں قلم خوب جوہر کرتا ہے مگر مفسر یا محدث یا فقیہ یا متکلم بن کر انشا پردازی کا جوہر دکھانا یا نثر نگاری کی رنگا رنگی کا اظہار کرنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ سید صاحب اسی تلوار کی دھار پر چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ [18]

ایک بات یہ بھی عرض کرنا ہے کہ مصنفوں کی کچھ قسمیں ہوتی ہیں مثلاً عنکبوتی جو مکڑی کی مانند اپنی تحریروں کے جالے تن کر اپنے کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ دوسرے نملی جو چیونٹی کی مانند ادھر ادھر سے اپنے خیالات کے ریزے جمع کر کے انبار لگا دیتے ہیں۔ تیسرے نحلی جو شہد کی مکھی کی مانند اپنی تحریروں میں خیالات کا شہد جمع کر دیتے ہیں۔ سید صاحب اپنی تحریر میں محقق بھی ہیں، ماہر قرآنیات بھی ہیں، محدث بھی ہیں، متکلم بھی ہیں لیکن وہ اپنی تحریروں میں نہ عنکبوتی نظر آتے ہیں اور نہ ہی نملی۔ بلکہ محدث ہوں، مفسر ہوں، متکلم ہوں یا فقیہ ہوں نحلی بن کر اپنے ناظرین کو یہ محسوس کراتے ہیں کہ اسلامی علوم و فنون سے رس چوس کر اپنی پیہم تحریروں کے ذریعے سے تحقیق، تفسیر، حدیث اور کلام کے شہد کا انبار ہی نہیں لگا دیتے بلکہ اس کا آبشار، جوئبار اور رودبار بہاتے رہتے ہیں۔ [19]

علم و فن کی دنیا میں سید صاحب کی بہت سی خوبیوں میں ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ وقت اور قلم دونوں پر ان کی گرفت بہت سخت رہی۔ وہ قلم کے دھنی اور اقلیم علم و فن کے بہترین شہسوار تھے۔ آخر دم تک وقت اور قلم دونوں کے ابلق پر اس طرح سوار رہے کہ کبھی بھی ان کو وقت کی کمی اور قلم کی سست رفتاری کی شکایت نہیں ہوئی۔ وقت اور قلم دونوں ہی ان کے قابو میں رہے۔

---

[18] + [19] مقالہ "ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے" از سید صباح الدین عبدالرحمن ص ۲۸+۲۹ ماخوذ از کتاب "علامہ سید سلیمان ندوی" ناشر بہار اردو اکادمی پٹنہ ع۴

سید صاحب کی علمی سرگرمیوں کے مطالعے سے اس بات کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کی زندگی علم و فن کی اضطراری، اضطرابی اور سیمابی کیفیت کا پیکر بنی رہی جس میں عمل، سرگرمی اور کثرت کار ایسی کارفرما رہی کہ یہ ساری چیزیں ان کی زندگی کے لئے لازم و ملزوم بنی رہیں۔ شاید ہی ان کا کوئی دن یا کوئی گھنٹہ بیکار گزرا ہو۔ وہ لکھتے نہیں تو کچھ سوچتے، کبھی ایسا بھی ہوا کہ خود ان ہی کے بیان کے مطابق خواب میں وہ چیزیں نظر آتیں جن کے لئے بیداری میں متفکر رہتے۔ یہ کہنے میں تامل نہیں کہ وہ خالد بن ولید کی طرح کارزار علمی میں اترے، سعد ابن ابی وقاص کی طرح اقلیم علم کی فتوحات کیں، ابوعبیدہ بن الجراح کی طرح علم کے قلعوں کے کنگوروں پر اپنا پرچم لہرایا، ہندوستان میں رہ کر محمد بن قاسم کی طرح اپنی علمی رواداری دکھا کر اپنی فراخ دلی اور کشادہ دلی کا ثبوت دیا، معاذ بن جبل کی طرح علمی خطے پر نئی روانی کرنے میں قرآن اور حدیث کو سینے سے لگا کر اپنی اصابت رائے سے کچھ علمی اجتہادات بھی کئے۔ دارالمصنفین کی علمی محفل کا سرور جب ان سے رخصت ہوا تو اس کے ساتھ یہاں کی علمی رونق بھی چلی گئی۔ انھوں نے ایک علمی تاج محل بنایا جس پر وہ چودھویں رات کی چاندنی کی طرح پھیلے رہے، مگر وہ گئے تو اس تاج محل پر کبھی چاندنی چھٹکی ہوئی دکھائی نہیں دی۔ [۲]

بلاشبہ سید صاحب علم کا ایک بحر زخار تھے۔ آپ نے جو بھی تصانیف اور نگارشات چھوڑیں وہ گہرائی اور گیرائی کے اعتبار سے اس قدر عمیق ہیں کہ علوم اسلامی اور تاریخ و ادب کے غواص ان میں غوطہ زنی کر کے حقائق و معارف کے لولو و مرجان دونوں نکالتے رہیں گے اور علمی بازار کی رونق بڑھاتے رہیں گے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں اردو زبان کے افق علم و ادب پر جو ممتاز علمی و ادبی شخصیتیں نمودار ہوئیں ان میں سید صاحب کو ایک نمایاں بلکہ منفرد مقام حاصل ہے۔ ان کی شخصیت بڑی متنوع، کثیر الجہت اور ہمہ گیر تھی۔ ان کی معروف ترین سادہ و پاکیزہ زندگی کے حال و احوال، شاہکار تحریروں اور کثیر المقاصد سرگرمیوں کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ ایک عظیم المرتبت عالم، مورخ، ادیب، شاعر، صحافی، ماہر تعلیم اور سیاست داں وغیرہ بہت کچھ تھے۔ ساتھ ہی اپنے وطن اور اہل وطن سے انتہائی محبت کرنے والے اور ملک و قوم کے غم میں ہمہ وقت گھلنے والے مخلص رہنما اور ایک آدرش انسان تھے۔

---

[۲] مقالہ "ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے" از سید صباح الدین عبدالرحمٰن ص ۳۳
ماخوذ از کتاب "علامہ سید سلیمان ندوی" ناشر بہار اردو اکادمی پٹنہ ۸۴

کثرتِ مطالعہ اور تلاش وتحقیق سید صاحب کی شخصیت کے خاص جوہر تھے ۔ شدید بیماری اور ضعف ونقاہت کے عالم میں بھی ان کا مطالعہ جاری رہتا تھا ۔ سید صاحب کی طبعی کم آمیزی نے ان کے ذوقِ مطالعہ کی تسکین کے لئے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کئے ۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے بہت درست لکھا ہے کہ " گو وہ 1907 میں ندوہ کی عربی طالب علمی سے فارغ التحصیل ہوئے تھے لیکن طالب علمانہ روح زندگی بھر ان کے ساتھ لگی رہی اور شہرت وعظمت کے اوج کمال تک پہونچ جانے کے بعد بھی کتابوں سے اخذ و استفادہ میں کمی نہیں آئی " ۲۱ شاہ معین الدین ندوی رقم طراز ہیں:

" سید صاحب کی کتب بینی کا شغف آخر عمر تک قائم رہا ۔ فارغ اوقات میں بھی کبھی بیکار نہ بیٹھتے کچھ نہ کچھ پڑھا کرتے تھے ، لکھے ہوئے کاغذ کا کوئی ٹکڑا بھی مل جاتا تو اس کو پڑھے بغیر نہ چھوڑتے ۔ ایک زمانہ میں رات کو بھی مطالعہ کرتے تھے لیکن جب کثرتِ مطالعہ نے صحت پر اثر ڈالا تو رات کا مطالعہ چھوڑ دیا تھا ۔ کتب خانہ دارالمصنفین کی ساری کتابیں جن کی تعداد ہزاروں تک ہے ان کے مطالعہ سے گزر چکی تھیں جن پر ان کے نوٹ شاہد ہیں ۔ جس کتاب میں جو کام کی بات مل جاتی اس کو شروع کتاب کے سادہ صفحہ پر نوٹ کرلیتے ۔ مشکل ہی سے کوئی کتاب ان کے ملاحظات سے خالی مل سکتی ہے ۔ ابن خلکان کا ایک نسخہ جو زمانہ طالب علمی سے ان کے مطالعہ میں تھا notes سے بھرا ہوا تھا ۔ " ۲۲

سید صاحب جب کسی اہم موضوع پر قلم اٹھانا چاہتے تو پہلے اس کے متعلق کافی مطالعہ کرتے اور جہاں کہیں بھی انھیں اپنے موضوع کے متعلق معلومات ملنے کی توقع ہوتی اس کو وہاں سے اخذ کرتے تھے اور حتی الوسع تحقیق وتنقید کے بعد جمع شدہ مواد نہایت سلیقہ اور عالمانہ طریقے سے سجاتے تھے ۔ ۲۳

حیاتِ شبلی میں سید صاحب نے بلادِ پورب کے بارے میں معلومات کا انبار لگا دیا ہے اور اس کے لئے انھوں نے جو محنت وکاوش اور جانفشانی کی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1939 میں جب سید صاحب کرنال اور پانی پت کے ایک طویل علمی سفر سے واپسی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں مقیم ہوئے تو پہونچتے ہی " ایک ندوی فاضل سے جو اس وقت جامعہ میں پڑھتے تھے ملاقات ہوئی ، ملتے ہی فرمایا ۔ کیا تمہارے کتب خانہ سے قنوج کی تاریخ پر فلاں انگریزی کتاب مل سکتی ہے ۔ شام کا وقت تھا اور سید صاحب کی آنکھوں میں تکلیف تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن سید صاحب نے اسی وقت کتاب حاصل کرکے اس سے استفادہ کیا ۔

اسی انہماک وشغف کے باعث انھوں نے ایسا عظیم و یادگار علمی ذخیرہ چھوڑا جو پوری ایک جماعت کو مصنف بنانے کے لئے کافی ہے ۔ بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی " یورپ اور ایشیا

میں کئی کئی آدمی مل کر زندگی کی تمام راحتوں اور سہولتوں کے ساتھ بعض اوقات اتنا علمی و تصنیفی کام نہیں کر پاتے جو سید صاحب نے تنہا انجام دیا۔" [۲۴] "واقعہ یہ ہے کہ میں نے ہندوستان و بیرونِ ہند کی سیاحت کی اور ممالکِ اسلامیہ کی قریبی واقفیت کے سلسلے میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی جیسا جامع اوصاف اور مولانا سید سلیمان ندوی جیسا جامع فنون اور متنوع الذوق نہیں دیکھا۔" [۲۵]

1940 میں سید صاحب کی زندگی میں ایک بڑا روحانی انقلاب پیدا ہوا جس نے ان کی تحریری صلاحیتوں کو بھی متاثر کیا۔ سید صاحب کی نظم و نثر دونوں پر اس کے نمایاں اثرات دکھائی پڑتے ہیں۔ بقول غالب پھر دل طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے + پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے

اپنی دینی عظمت و علمی جلالت کا لحاظ کئے بغیر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کے آستانہ پر جاکر اپنا سرِ نیاز جھکا دیا۔ حضرت مولانا کو بھی علم و فن کے ایک شہباز اور گلستانِ رسالت کے ایک عندلیب خوشنوا اور اسلام کے ایک سفیر و خطیر کو اپنے سایۂ عاطفت میں لینے میں بڑی مسرت ہوئی۔ ان میں دین داری اور پرہیزگاری تو پہلے ہی سے تھی، اب تقویٰ اور تورع کا رنگ زیادہ گہرا ہو گیا۔ ان کی تقریر و خطابت میں علمی و تاریخی رنگ کے بجائے تبلیغی انداز پیدا ہو گیا۔ پہلے کبھی کبھی شعر کہہ لیا کرتے تھے۔ اب عارفانہ اور صوفیانہ رنگ کے اشعار اور غزلیں کہنے لگے۔ اس زمانہ میں ان کی طبیعت کا رنگ مندرجہ ذیل دو اشعار سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے:

ہم ایسے رہے یا ں کہ ویسے رہے + وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

حیاتِ دو روزہ کا کیا عیش و غم + مسافر کا بھی کیا جیسے تیسے رہے

چونکہ سید صاحب جیسے عبقریٔ وقت نے جس کی علمی و تصنیفی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر ہو [۲۶]

---

[۲۱] پرانے چراغ حصہ اول ص ۵۹ — مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

[۲۲] حیاتِ سلیمان ص ۶۲۲ — شاہ معین الدین احمد ندوی

[۲۳] معارف سلیمان نمبر ص ۲۴۳ معنون "ڈاکٹر سید سلیمان ندوی اور ان کا تشخص" از محمد زبیر صدیقی

[۲۴] + [۲۵] پرانے چراغ حصہ اول ص ۳۲ + ۶۰ — مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

[۲۶] پرانے چراغ حصہ اول ص ۵۷ — مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

نوٹ: [۲۱] تا [۲۶] سے متعلق اقتباسات اور ان کے حوالے مندرجہ ذیل کتاب سے لئے گئے ہیں
"علامہ سید سلیمان ندوی" از ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی ناشر مجلس نشریاتِ اسلام ناظم آباد کراچی پاکستان۔

روحانی تشنگی دور کرنے کے لیے کسی شیخ طریقت کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا تھا۔ اس نے سید صاحب کے عقیدت کیشوں کو ان کے اس اقدام سے بڑی مایوسی ہوئی بلکہ اس واقعہ پر شور و غل سے پورا ملک گونج اٹھا۔ سید صاحب نے اس سے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ صرف اتنا کہا "لوگ مجھ کو کہتے تو محقق اور علامہ ہیں مگر درحقیقت بے عقل جانتے ہیں۔ آخر یہ لوگ اس بات پر کیوں نہیں غور کرتے کہ اگر ان کے خیال کے مطابق میں واقعی محقق اور علامہ ہوں تو کیا وجہ ہے کہ میں نے مولانا تھانوی کا دامن تھاما۔ ان لوگوں کو سمجھنا چاہیے کہ میں نے اپنے اندر کوئی تو کمی پائی جس کی تکمیل کے لیے وہاں گیا۔[26]

یہ بات بھی انتہائی قابل غور ہے کہ اس عظیم باطنی انقلاب کے بعد سید صاحب نے اپنی تمام پرانی تحریروں پر نظر ثانی کی اور جن میں ذرہ بھی جمہور امت سے اختلاف کا شائبہ یا خلاف احتیاط کوئی بات نظر آئی اس سے رجوع کر لیا۔ چنانچہ جنوری 1943 کے معارف میں 'رجوع و اعتراف' کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا اور معراج جسمانی، فنائے نار، تصویر کشی اور زکوٰۃ حلی (زیورات کی زکوٰۃ) کے بارے میں اپنی سابقہ تحقیقات سے رجوع کر لیا۔ اگست 1938 میں سید صاحب نے راہ سلوک میں قدم رکھا اور ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۲ تک اس کے سب مراحل طے کر کے مرشد کی طرف سے سلاسل اربعہ میں خرقۂ خلافت عطا ہوا جس کے بعد وہ خاص خاص لوگوں کو بیعت بھی کرنے لگے تھے۔[27]

عام طور پر لوگ سید صاحب کے علمی سفر کے اس پہلو کو چھپا جاتے ہیں۔ شاید وہ علم اور صاحبان علم کے حق میں خفت اور سبکی محسوس کرتے ہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ علم کا منتہائے مقصود معرفت ہی تو ہے۔

آخر میں چند سطریں سید صاحب کے اسلوب کے بارے میں لکھنا چاہتا ہوں۔ صاحب اسلوب وہ ہوتا ہے جو موضوع کے اعتبار سے اپنا اسلوب بھی بدلتا جائے۔ سید صاحب یہ گر خوب جانتے تھے۔ ان کے سامنے الفاظ ہاتھ باندھے غلاموں کی مانند کھڑے رہتے اور وہ انھیں جس طرح چاہتے استعمال کرتے۔ سید صاحب اپنے موضوع کی تہوں میں اتر جانے کی خداداد صلاحیت رکھتے تھے اور اس صلاحیت کو چھپانے میں الفاظ پر ان کی کلی دسترس خاص معاون تھی۔ بڑے بڑے پیچیدہ مسائل جن کی تفہیم آسان نہ تھی سید صاحب نے انھیں سادہ اور ترسیلی نثر سے انتہائی آسان بنا کر پیش کر دیا۔ اس طرح ان کا رشتہ ان کے پڑھنے والوں سے ٹوٹتا نہیں۔ سید صاحب کی نثر غایت ترسیلی، تدلیلی، سہل اور رواں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابیں ذہن کے جالوں کو اکھاڑ پھینکتی ہیں اور نفس مضمون کی سمائی کے لیے ذہن کو ہموار اور مرتب کرتی ہیں۔

سید صاحب کا اسلوب "نگارش صاف" صریح، پرمعنی اور شگفتہ ہے۔ عربی و فارسی کے بہت بڑے عالم ہونے کے باوجود سید صاحب کی عبارت میں ثقاہت جتنی بھی ہو ثقالت بالکل نہیں۔ ان کے الفاظ دقیق نہیں دبیز ہیں۔ ان کے جملے پیچیدہ نہیں تراشیدہ ہیں۔ ان کے بیانات پرپیچ نہیں سلیس ہیں۔ ان کی ترکیبوں میں کوئی انغلاق نہیں اور تشبیہیں اشکال سے خالی ہیں۔ فقروں کی حد درجہ چست ہے اور استعارات و کنایات نہایت واضح۔ سید صاحب کی نثر کا رنگ شستہ اور آہنگ رواں ہے۔ اس طرز تحریر میں شائستگی بھی ہے اور چاشنی بھی۔ سید صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر نکتہ ایک منطقی انداز سے اور مدلل طور پر پیش کرتے ہیں۔ اپنی بات مثالوں اور حوالوں سے ثابت کرتے ہیں۔ لیکن فقیہ شہر کی طرح لغت ہائے حجازی کی قارونی کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ ایک خوش مزاج صوفی کی طرح بڑے دلچسپ اسلوب سے اپنے موقف کو قاری کے لئے دل نشین بنا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تحقیق کی ساری تشنگی ادب کی شادابی میں بدل جاتی ہے اور تنقید کی صلابت ایک لطافت کے ساتھ آشکار ہوتی ہے۔

۴۷؎ حیات سلیمان ۔۔ شاہ معین الدین ندوی ص ۶۸۴

+ مقالہ "آئی جو ان کی یاد" از اویس ندوی ماخوذ "علامہ سید سلیمان ندوی" ۔۔۔ ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی ص ۹

۴۸؎ بزم اشرف کے چراغ ۔۔ احمد سعید ص ۸

(۴) معارف کے چار ادوار کے مضمون نگاروں کا جائزہ

زیر نظر سطور میں معارف کے چاروں مدیران کے ادوار سے متعلق کچھ مشہور و معروف مضمون نگاران کی فہرست پیش کی جارہی ہے تاکہ ان حضرات کی علمی و ادبی استعداد اور ان قد آور شخصیتوں کے فضل و کمال کے مطابق معارف کے علمی و ادبی معیار و مزاج اور رجحانات کو سمجھنے میں مدد مل سکے۔ ان میں علماء، فضلاء، مشائخ، قومی و ملی رہنما، دانشوران قوم، صاحبان علم و فن اور اصحاب زبان و ادب، اعلیٰ عہدیداران، محقق، مصنف، صاحبان قلم، دیگر ہر طرح کے لوگ ہیں اور مختلف طبقہ ہائے فکر و نظر سے متعلق اور مختلف جماعتوں اور مذاہب و مسالک سے وابستہ اشخاص ہیں، پختہ کار اہل قلم اور نوواردان بساط علم و ادب بھی جو آگے چل کر باوزن شخصیات کے حامل بنے۔ برصغیر کے مختلف علاقوں کے لوگ بھی اور رفقائے دارالمصنفین اور وابستگان ادارۂ معارف بھی۔ ندویوں کی قابل قدر علمی جماعت بھی شامل ہے اور صوبہ بہار کے صاحبان فضل و کمال یعنی گیلانی، دسنوی، پھلواروی، عظیم آبادی وغیرہ۔ قاسمی، رحمانی، جامعی، عمری اور اصلاحی بھی۔ تھانوی، کاکوری، نگرامی، بلگرامی، دریابادی، اکبرآبادی، رامپوری، اعظمی بھی۔ انصاری، قدوائی، معصومی، قریشی، واسطی، راشدی، علوی، قادری، صدیقی، فاروقی، نعمانی، شیروانی، چغتائی، مودودی جیسے القاب سے ملقب اشخاص بھی۔ ملکی اور غیر ملکی سبھی طرح کے لوگ اور تقسیم وطن کے بعد پاکستان اور بنگلہ دیش کے ارباب دانش اور خیر خواہ و معاونین بھی۔ امریکہ، افریقہ، یورپ اور آسٹریلیا میں آباد اور مقیم حضرات بھی ۔۔۔ وغیرہ۔

۱۔ مضمون نگاران معارف دور سلیمانی :

سید سلیمان ندوی + سید مناظر احسن گیلانی + مولانا حمیدالدین فراہی + مولانا امین احسن اصلاحی + مولانا محمد سورتی + مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی + مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی + مولانا اسلم جیراجپوری + مولانا محمد علی لاہوری + مولانا ابوالاعلیٰ مودودی + مولانا ابوالکلام آزاد + مولانا عبدالماجد دریابادی + مولانا ابومحفوظ الکریم معصومی + مولانا شاہ عون احمد قادری سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ + مولانا عبدالصمد رحمانی خانقاہ مونگیر + مولانا قاضی اطہر مبارکپوری + مولانا شاہ نجم الدین سجادہ نشین آستانہ مخدوم جہاں بہار شریف + مولانا قاضی سید زین العابدین سجاد میرٹھی + مولانا شاہ فخر عالم بھاگلپور + مولانا غلام رسول مہر + مولانا ظفرالدین قادری رضوی مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ + مولانا سعید احمد اکبرآبادی + مولانا امتیاز علی خاں عرشی رامپوری + میر ولی الدین + امام خاں نوشہروی + پروفیسر کلیم سہسرامی + پروفیسر عبدالقادر پٹنہ + پیر حسام الدین راشدی + شاہ سلیمان پھلواروی + ڈپٹی مقبول احمد + مولانا عبدالسلام قدوائی + وقار عظیم + سید ناظر الحسن ہوش بلگرامی + سید صباح الدین عبدالرحمٰن + سید صدیق حسن

+ سید نواب علی + سید مبارز الدین رفعت + سید محمد عبد اللہ دسنوی + سید محمد طٰہٰ اشرف قادری + ظہیر احسن شوق نیموی

+ مولانا بدر الدین علوی + داؤد اکبر اصلاحی + حیدر زمان صدیقی + محمد عزیز + مقصود علی + ظفر احمد تھانوی

+ عبد الرزاق قریشی + خواجہ احمد فاروقی + عروج قادری + شوکت سبزواری + ضیاء الدین برنی + شیخ عنایت اللہ

+ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم + تمکین کاظمی + عبد المجید سالک + عبد اللہ چغتائی + ایم مہدی حسن افادی الاقتصادی

+ آغا سید محمد علی + معتضد ولی الرحمن + اکرام الحق سلیم + سعید انصاری + نصیر الدین ہاشمی + قاضی احمد میاں اختر

+ مالک رام + گنگا ناتھ جھا + منوہر لعل زتشی + ابو الجلال ندوی + ابو ظفر ندوی + ابو الحسنات ندوی

+ نجیب اشرف ندوی + حاجی معین الدین ندوی + سید مظفر الدین ندوی + سید ہاشم ندوی + مسعود عالم ندوی

+ عبد الباری ندوی + حافظ مجیب اللہ ندوی + مولانا عبد السلام ندوی + سید ریاست علی ندوی + سید عبد الرؤف ندوی

+ مولوی نور الہدیٰ ندوی بہاری + شاہ معین الدین احمد ندوی + عبد الرحمن ندوی نگرامی + محمد اویس ندوی نگرامی

وغیرہ۔

۲۔ مضمون نگاران معارف دور معینی :

مولانا محمد تقی امینی + مولانا فضل اللہ رحمانی + ڈاکٹر حمید اللہ پیرس + ڈاکٹر مسعود حسن خاں + ڈاکٹر ذاکر حسین + ڈاکٹر عابد حسین

+ پروفیسر محمد حبیب + پروفیسر محمد مجیب + انل پرشاد جلیل + ڈاکٹر گوپی چند نارنگ + پروفیسر جگن ناتھ آزاد

+ آصف فیضی + کوثر چاند پوری + بشیر الحق دسنوی + زیدی جعفر رضا + عابد رضا بیدار + زبیر صدیقی + سید شمیم احمد

+ امیر حسن عابدی + سید مبارک علی بلگرامی + محمد عبد الحمید فاروقی + احتشام احمد ندوی + تقی الدین ندوی + نادم سیتاپوری

+ پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں + پروفیسر عطاء الرحمن کاکوی + مولانا ظفر احمد عثمانی + ڈاکٹر نذیر احمد لکھنؤ یونیورسٹی + ڈاکٹر محمد عزیز مسلم یونیورسٹی

+ حبیب اشعر قدوائی ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر علی گڑھ + ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی ڈھاکہ یونیورسٹی + ڈاکٹر عشرت حسین مسلم یونیورسٹی

+ مولانا عبد السلام رامپوری + کلب علی خاں فائق رامپوری + نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی + لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر خواجہ عبد الرشید

+ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو مسلم یونیورسٹی + ڈاکٹر محمد احمد صدیقی الہ آباد یونیورسٹی + مولانا ضیاء الدین اصلاحی

+ نعیم صدیقی ندوی + حبیب ریحان ندوی + ابو البقا ندوی

وغیرہ

۳۔ مضمون نگاران معارف دور صباحی :

پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی + مولانا ابو الحسن علی ندوی + سید شہاب الدین دسنوی + ڈاکٹر یوسف حسین خاں

+ شاہ آفاق احمد سجادہ نشین درگاہ ردولی + پروفیسر سید حسن سرمد پٹنہ یونیورسٹی + مولانا بدر الدین مسلم یونیورسٹی

+ ڈاکٹر محمد اقبال انصاری مسلم یونیورسٹی + اشفاق احمد خان ایڈوکیٹ شاہ جہاں پور + مولانا معین الدین سیواسکول کالج برہان پور + مولانا محمد عزیر بہاری مرکزی دارالعلوم بنارس + کبیر احمد جائسی جامعہ ملیہ اسلامیہ + الطاف حسین خان شیروانی اسلامیہ کالج اٹاوہ + ڈاکٹر نذیر احمد سابق صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی + مولانا شفیق احمد خان ندوی لکچرر عربی طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی + محمود الرحمن ڈپٹی ڈائرکٹر نیشنل بک فاؤنڈیشن + ڈاکٹر محمد ولی الحق + ڈاکٹر سمیع الدین احمد مسلم یونیورسٹی + ڈاکٹر محمد ریاض تہران یونیورسٹی + مولانا محمد عاصم قادری ندوی + مولانا محمد رابع ندوی + ڈاکٹر محمد ہاشم مسلم یونیورسٹی + سبط محمد نقوی + محمد عمیر الصدیق ندوی دریابادی + مولانا عبدالسلام خان رامپوری مدرسہ عالیہ رامپور + شبیر احمد خان غوری سابق رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اترپردیش + منصور نعمانی + شاہ نصیر احمد پھلواروی + ڈاکٹر محمد شمس الحق پٹنہ + مولانا اخلاق حسین دہلوی + ڈاکٹر غلام دستگیر رشید عثمانیہ یونیورسٹی + سید بہاء الحق رضوی + عبدالرحمن پرواز اصلاحی + ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی لاہور + مولانا شمس تبریز خان + ڈاکٹر محمد سلیم اختر دی آسٹریلین یونیورسٹی کینبرا آسٹریلیا + پروفیسر عبدالمغنی پٹنہ یونیورسٹی + ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی نائیجریا + سید اطہر حسین ریٹائرڈ آئی اے ایس لکھنؤ + ڈاکٹر ابن حسن عابدی دہلی یونیورسٹی - ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی اسلام آباد + پروفیسر سید حبیب الحق ندوی ڈربن یونیورسٹی افریقہ + ڈاکٹر طفیل احمد فرانس + ڈاکٹر اکمل ایوبی علی گڑھ + حکیم محمد عمران خان ٹونک + ڈاکٹر حامد علی خان مسلم یونیورسٹی + وسیم احمد اعظمی پٹنہ + ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری کشمیر + ڈاکٹر نثار احمد کراچی یونیورسٹی + مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری نیپال + سری نواس لاہوٹی + فیضان اللہ فاروقی + ڈاکٹر شریف حسین قاسمی دہلی یونیورسٹی + بدرالدین بٹ کاشمیر + صلاح الدین ندوی جامعہ ازہر + تاج بیابانی آگرہ + مولانا محمد عمران خان ندوی + عبیداللہ کوٹی + پروفیسر خلیق احمد نظامی + محمد بدیع الزماں پھلواروی + ڈاکٹر جیوتی سروپ اعظم گڑھ + ڈاکٹر نثار احمد فاروقی دہلی یونیورسٹی + مسعود انور کاکوروی مسلم یونیورسٹی + حکیم الطاف احمد اعظمی ملک ہمدرد نگر دہلی + حکیم محمد زماں کلکتہ + عبدالمالک جامعی مدنی + ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی ملک سعود یونیورسٹی ریاض + پروفیسر محمد مسعود الدین خان مسلم یونیورسٹی

وغیرہ

۴ ۔ مضمون نگاران معارف دور اصلاحی :

ڈاکٹر سید وحید اشرف مدراس + ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب بریلی + ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی کالی کٹ یونیورسٹی کیرالا + ڈاکٹر معین الدین عقیل کراچی یونیورسٹی + ڈاکٹر عبدالرب عرفان ناگپور یونیورسٹی + ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ + ڈاکٹر زبیر قریشی گجرات یونیورسٹی + ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی مسلم یونیورسٹی + ڈاکٹر شریف حسین قاسمی دہلی یونیورسٹی

+ ڈاکٹر سید حسن عباس تہران + ڈاکٹر خورشید نعمانی ردولوی + پروفیسر عبداللہ عباس ندوی سابق استاذ ام القریٰ یونیورسٹی مکہ و معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء + پروفیسر عبدالرحیم انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ سوشل سائنس ناگپور + پروفیسر محمد صابر خان سابق ممبر پبلک سروس کمیشن کلکتہ + پروفیسر سید حبیب الحق ندوی باڑہ پٹنہ + پروفیسر محمد راشد ندوی مسلم یونیورسٹی + پروفیسر محمد اجتہاد ندوی جامعہ نگر دہلی + پروفیسر عبدالرحمٰن مومن بمبئی یونیورسٹی + پروفیسر ریاض الرحمٰن خان شیروانی + پروفیسر اصغر عباس مسلم یونیورسٹی + محمد عارف عمری اعظمی + محمد الیاس اعظمی + رام لعل نابھوی + کالی داس گپتا رضا + گوپال سنگھ مجذوب + مولانا برہان الدین سنبھلی لکھنو + مولانا غلام محمد کراچی + مولانا عبداللہ سورتی گجرات + مولانا سید کلب صادق + سید ولی حسین جعفری نئی دہلی + سید غلام سمنانی جون پور + منظور احمد خان سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انگلش اینڈ فارن لنگویجز حیدرآباد + محمد شاکر اللہ خان رامپور + سعید المظفر محمد فخر الزماں + مختار ٹونکی راجستھان + حکیم مولوی عبدالقوی دریابادی مدیر صدق جدید لکھنو + محمد بدیع الزماں ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پھلواری شریف + معین احمد کاکوروی لکھنو + محمد ذاکر حسین ندوی مدھوبنی کالج + عبدالجبار مسلم یونیورسٹی + شمیم منعمی خانقاہ منعمیہ پٹنہ + اطہر نقوی جامعہ نگر دہلی + مولانا عبدالسلام خان سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور + مولانا شہاب الدین ندوی ناظم فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور

وغیرہ

معارف کے چاروں ادارتی ادوار کے مشہور و معروف مضمون نگاروں کی فہرست مذکورہ بالا سطور میں پیش کردی گئی ہے ۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ معارف کے مضمون نگاروں کا تعلق مندرجہ ذیل طبقات سے ہے:

۱ ۔ دارالمصنفین اور معارف کے اداروں کے ذمہ دار حضرات ، کارگزار اور رفقائے کار

۲ ۔ برصغیر کے مختلف دارالعلوموں اور دینی درسگاہوں کے اساتذہ اور طلبہ خاص طور پر ندوۃ العلماء کے فارغین ۔

۳ ۔ دنیاوی علوم کے دانش کدوں ، یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اساتذہ اور طلبہ خاص طور پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی وغیرہ سے متعلق ۔

۴ ۔ پاکستان اور بنگلہ دیش کے صاحبان علم + افریقہ ، امریکہ ، یورپ اور آسٹریلیا میں مقیم حضرات

۵ ۔ اعلیٰ و ادنیٰ عہدوں پر فائز صاحبان علم و فضل اور قدردان معارف جو پورے برصغیر میں پھیلے ہوئے ہیں ۔

۶ ۔ غیر مسلم حضرات ۔

مذکورہ ۷ طبقات میں معارف کے مضمون نگاروں کو بانٹ کر علیحدہ علیحدہ نشاندہی کرنے والی فہرستوں کی بھی ضرورت ہے ۔ اس کے بعد ان میں سے کم از کم دس پندرہ مشہور و معروف مضمون نگاروں کے مضامین کی نشاندہی کرنے والی فہرستوں کی ضرورت ہے اور ان مضامین کے محاسن کا جائزہ لینے والی تفصیلات کی بھی ضرورت ہے ۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ معارف کے ہزاروں مضمون نگاروں میں سے گذشتہ صفحات میں کم و بیش ۲۵۰ مضمون نگاروں کے ناموں کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں سے بلا شبہ کم و بیش ۱۵۰ حضرات تو علم و ادب کی دنیا میں غیر معمولی شہرت کے مالک ہیں تو ایسی حالت میں اس مقالے میں اس بات کی گنجائش قطعی نظر نہیں آتی کہ اس ضمن میں جائزہ لیا جاسکے ۔ صرف سید سلیمان ندوی کے کم و بیش ۱۰۰ مضامین کی فہرست دیدی گئی ہے یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ گذشتہ صفحات میں جو مضمون نگاروں کی فہرست دی گئی ہے وہ جامع اور مکمل نہیں کہی جاسکتی ۔ ایسے مضامین نگار بھی ہیں جو سید صاحب، شاہ معین الدین ندوی اور سید صباح الدین عبدالرحمٰن تینوں ادوار میں نظر آتے ہیں چنانچہ ایسے حضرات کے ناموں کی نشاندہی کرنے والی علیحدہ فہرست کی بھی ضرورت ہے لیکن اس قسم کی جزئیات کے لئے ہمارا عذر وہی ہے جو ہم پہلے ہی پیش کر چکے ہیں کہ اس کے لئے موقع اور گنجائش ان صفحات میں نہیں ۔

معارف میں سید سلیمان ندوی کے مقالات و مضامین کا کچھ جائزہ حسب ذیل ہے :

روزن	معارف جولائی ۱۹۱۶ء
قرآن مجید پر تاریخی اعتراضات	" اگست "
مسئلہ انتقال جائیداد بنام اشخاص غیر مولود	" " "
کشف حقیقت (مسئلہ زوجہ غیر متفق علیہا)	" اکتوبر "
اہل سنت والجماعت	" جولائی تا ستمبر ۱۹۱۷ء
تکملہ عقائد اہل سنت وصایائے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	معارف نومبر دسمبر ۱۹۱۷ء
مجسمہ اور تصویر کے متعلق شرعی حکم	ستمبر اکتوبر ۱۹۱۹
آیت استخلاف	اکتوبر ۱۹۲۰
احکام القرآن	اپریل ۹۲۶
سنت	اگست ۹۲۹
مذہب کا قانونی حصہ	ستمبر "
مسلمانان ہند کا شرعی نظام	دسمبر "
پھر بحث سنت	جولائی ۹۳۹

منصب نبوت — معارف اگست ۱۹۳۹ء

شغل تکفیر — ” جولائی ۱۹۲۵ء

وحی اور ملکہ نبوت — ” ” ۱۹۳۱ء

ایمان — ” ستمبر اکتوبر ”

ایام صیام پر نظر ثانی — ” جنوری ۱۹۳۲ء

مقدمہ تفسیر جواہر — ” فروری ۱۹۳۸ء

قرآن پاک کا تاریخی اعجاز — ” ” ۱۹۳۹ء

نامہ خسروی اور طریقہ اختلاف شمار — ” اگست ”

کیا قرآن رسول کا کلام اور انسانی تخیلات سے ماخوذ ہے
معارف اکتوبر ۱۹۴۰ء

وحی ازروئے قرآن اور مدعی کا تضاد بیان — معارف نومبر ۱۹۴۰ء

وحی کے اقسام — معارف دسمبر ۱۹۴۰ء

حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے — ” نومبر ۱۹۴۶ء

سیاسیات اسلام کے نظریے — ” اکتوبر ۱۹۴۷ء

دنیائے اسلام میں ذہنی انقلاب — ” نومبر ۱۹۲۲ء

محبت الٰہی اور اسلام — ” جولائی ۱۹۲۳ء

توکل — ” اپریل ۱۹۳۵ء

جبر کا قرآنی مفہوم — ” مئی جون ”

اسلام میں حیوانات کے ساتھ سلوک — ” اگست ۱۹۳۶ء

ذبح عظیم — ” مارچ ۱۹۳۷ء

قربانی کا اقتصادی پہلو — ” ” ”

خلیل اللہ کی بشریت — ” اپریل مئی ”

دونوں جہان کی بادشاہی — ” ستمبر ۱۹۴۱ء

مسلمان عورتوں کے حقوق کا مسئلہ — ” اپریل تا اگست ۱۹۲۷ء

نکاح بلا ولی — معارف اکتوبر ۱۹۲۷ء

مسئلہ حقوق نسواں — ” جنوری ۱۹۲۸ء

حضرت عائشہ کی عمر اثنائے نکاح کے وقت کیا تھی؟
معارف جولائی ۱۹۲۸ء

حضرت عائشہ کی عمر — ” جنوری ۱۹۲۹ء

تحفظ حقوق زوجین — ” مارچ ۱۹۳۲ء

اندراج نکاح وطلاق اور تقرر قضاۃ — مئی ۱۹۴۷ء

سیر الصحابہ کی تدوین وتالیف — دسمبر ۱۹۱۶ء

سیرت النبی کی ایک نظر پر نظر — معارف اپریل ۱۹۲۴ء

سیر المصنفین — ” ستمبر ۱۹۲۵ء

سیرۃ النبی جلد چہارم پر تبصرہ — ” مارچ اپریل ۱۹۳۴ء

مقالات شبلی جلد ہشتم کا دیباچہ — ” دسمبر ۱۹۳۸ء

حیات شبلی — ” نومبر ۱۹۴۳ء

دیباچہ حیات شبلی — ” ” ”

امت مسلمہ کی بعثت وسیرت النبی جلد ششم کا ایک باب
معارف اپریل ۱۹۴۶ء

ابو البرکات البغدادی اور ان کی کتاب المعتبر
معارف جنوری فروری ۱۹۴۱ء

احادیث وسیر کی تحریری تدوین — ” ۱۹۴۶ء

ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں — جنوری ۱۹۱۸ء

ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی — مئی تا اگست ”

ہندو فارسی شعراء — ستمبر ”

ہندو ادبائے فارسی — اکتوبر ”

+ ہندو علمائے علوم عقلیہ — معارف دسمبر ۱۹۱۸ء
+ ہندو اور طب تصوف و موسیقی و مصوری — " دسمبر "
+ ہندوکش عالمگیر کے عہد کی دو عجیب ہندو کتابیں — " جون ۱۹۱۹ء
+ ہندوؤں کا ایک عجیب فرقہ — " جولائی ۱۹۳۲ء
+ ہندوستان میں اسلام کیونکر پھیلا — معارف جنوری تا اگست ۱۹۲۴ء
+ روموز تغلق تاریخ کے چند مٹے گمنام ابواب — اگست ۱۹۴۵ء
+ شوالحجم اور عمر خیام — معارف فروری ۱۹۲۴ء
+ اردو کے نئے رسالے — " دسمبر ۱۹۲۵ء
+ گلہ آشنا — " اگست ۱۹۳۱ء
+ رباعی — " اپریل ۱۹۳۲ء
+ اردو کیونکر پیدا ہوئی — " جولائی ۱۹۳۴ء
+ ہماری زبان بیسویں صدی میں — نومبر دسمبر ۱۹۳۷ء
+ تمہید — جون ۱۹۳۹ء
+ مرزا بیدل کیا عظیم آبادی نہ تھے — اگست ۱۹۴۶ء
+ انڈیا آفس لائبریری میں اردو کا خزانہ — جون ۱۹۲۰ء
+ بعض پرانے لفظوں کی نئی تحقیق — مئی ۱۹۳۹ء
+ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ایک شاعر کی حیثیت سے — معارف اگست ۱۹۱۷ء
+ زبان اردو کی ترقی کا مسئلہ — " ستمبر ۱۹۱۷ء
+ مسلمانان ہند کی تنظیم مذہبی — " نومبر ۱۹۱۷ء
+ عالم اسلام کی تنظیم کا مسئلہ — " اگست تا دسمبر ۱۹۲۵ء
+ نظم ملت — " نومبر ۱۹۲۵ء
+ ملک عرب کی تعلیمی حالت — " مئی "
+ جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق — جولائی "
+ مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم — معارف ستمبر اکتوبر ۱۹۳۳ء
+ " " — " ستمبر ۱۹۳۸ء

+ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت — معارف دسمبر ۱۹۴۴ء و جنوری ۴۵ء
+ خلافت اور ہندوستان — دسمبر ۱۹۲۰ء
+ مسئلہ خلافت — فروری ۱۹۲۱ء
+ خلفائے اسلام کا اقتدار روحانی — مارچ "
+ سلاطین اسلام کے بیعت نامے — ستمبر "
+ خلافت آل عثمان اور ہندوستان — اکتوبر "
+ علمائے روس — مئی ۱۹۲۲ء
+ خلافت عثمانیہ اور مسیحی دنیا کا اعتراف — معارف جون ۱۹۲۲ء
+ دنیائے اسلام میں ذہنی انقلاب — " نومبر "
+ ارض مقدس کی داستان — " اکتوبر ۱۹۲۳ء
+ ارض حرم — " نومبر "
+ ارض حرم اور اس کی تاریخی حیثیت — " دسمبر "
+ سلطان نجد اور ان کا مذہب — " نومبر ۱۹۲۴ء
+ اسلامی خلافت کا کارنامہ — " اکتوبر ۱۹۲۵ء
+ ہندوستان میں علم حدیث کی تاریخ کے چند گمشدہ اوراق — معارف اکتوبر ۱۹۲۹ء
+ ہندوستان میں علم حدیث — " اکتوبر تا دسمبر ۱۹۲۸ء
+ ہندوستان میں کتب حدیث کی نایابی کے بعض واقعات — فروری ۱۹۲۹
+ شک کا فلسفہ — معارف دسمبر ۱۹۱۷ء
+ لاہور کا ایک فلکی آلات ساز خاندان — " اگست ۱۹۳۳ء
+ کتب خانہ حمیدیہ — " دسمبر ۱۹۳۶ء

+ حجاز کے کتب خانے معارف اکتوبر تا دسمبر ۱۹۲۶ء
+ تاج محل اور لال قلعہ کے معمار " فروری تا اپریل "
+ عربوں کی بحری تصنیفات " مارچ ۱۹۳۵ء
+ نظر بندانِ اسلام " جنوری فروری ۱۹۱۸ء
+ ہمارے موجودہ نظر بندانِ اسلام " مارچ ۱۹۱۹ء
+ مسلمانوں کی بے تعصبی کی ایک اور دستاویز " دسمبر ۱۹۲۵ء
+ حسین بن منصور حلاج کی تاریخی شخصیت " اکتوبر ۱۹۱۷ء
+ سلطان ٹیپو کی چند باتیں " فروری ۱۹۱۸ء
+ المحلّٰی لابن حزم " مارچ ۱۹۳۰ء
+ مولانا حمید الدین " جنوری فروری ۱۹۳۱ء
+ حکیم سنائی کے سنین عمر " مارچ ۱۹۳۳ء
+ مولانا سجاد کی یاد " مارچ ۱۹۴۱ء
+ موت العالم موت العالم " اگست ۱۹۴۳ء
+ حکیم الامت کے آثار علمیہ " فروری "
+ محمد بن عمر الواقدی " جنوری ۱۹۲۶ء
+ پھر واقدی " " ۱۹۲۷ء
+ مسلمان حکماء اور یونانی فلاسفہ " فروری "
+ سفر افغانستان " دسمبر ۱۹۳۳ء
+ غزنی کا سفر " جنوری تا مارچ ۱۹۳۴ء " مئی ۱۹۳۴ء
+ مقبرۂ غزنی اور قندھار " جولائی "
+ قندھار " اگست "
+ قلعہ قدیم و چمن " ستمبر "
+ کوئٹہ اور ملتان " اکتوبر "
+ ملتان سے لکھنؤ " نومبر "

+ نالندہ کی سیر معارف فروری ۱۹۴۵ء
+ سفر گجرات کی چند یادگاریں " ستمبر ۱۹۳۶ء
+ عرب اور امریکہ " مارچ اپریل ۱۹۳۹ء
+ جامعہ حسینیہ راندیر سورت " ستمبر ۱۹۴۵ء
+ جمعیۃ العلماء کا خطبہ صدارت " مارچ ۱۹۲۶ء
+ مجلس العلماء مدراس " اپریل مئی ۱۹۳۲ء
+ خطبہ صدارت اردو کانفرنس " فروری "
+ خطبہ صدارت شعبہ علوم و فنون اسلامی معارف جون جولائی "
+ خطبہ اسناد جامعہ دارالسلام عمر آباد جنوری ۱۹۳۸ء
+ خطبہ صدارت شعبہ اردو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کلکتہ معارف فروری ۱۹۴۰ء
+ خطبہ صدارت مجوزہ اردو کانفرنس بنگال معارف مئی ۱۹۴۴ء
+ خطبہ صدارت شعبہ تاریخ مدراس معارف دسمبر ۱۹۴۴ + اپریل ۱۹۴۵ء
+ خطبہ اسناد طبیہ اسکول پٹنہ معارف دسمبر ۱۹۴۶

دفعہ ۵

⑤ معارف کے کچھ اہم مضامین کا جائزہ

معارف کے مضامین کے ذخیرے میں کس مضمون کو اہمیت دی جائے اور پسندیدہ قرار دیا جائے اور کس کو نہیں ایک صاحب ذوق کے لئے اس بات کا فیصلہ کرنا کس قدر مشکل کام ہے تاہم ایک محتاط اندازے کے مطابق اگر اوسطاً دو مضامین (ایک علمی اور ایک ادبی) فی مہینہ کے حساب سے بھی منتخب مضامین کا تخمینہ لگایا جائے تو ۸۳ سال کی مدت میں تقریباً ایک ہزار شماروں (۹۹۶ شماروں) کے ضمن میں تقریباً دوہزار علمی و ادبی مضامین کی نشاندہی کرنی ہوگی۔ چونکہ معارف بنیادی طور پر ایک علمی رسالہ ہے اس وجہ سے اس کے بیشتر مضامین علمی و تحقیقی نوعیت کے ہوتے ہیں لیکن اس میں ادبی مضامین کی ایک بڑی تعداد بھی ہوتی ہے جو صنف ادب کے مختلف اوضاع و اطوار اور اسلوب و اصناف سے تعلق رکھتے ہیں اور بلند معیار اور عمدہ ذوق کی نمائندگی کرتے ہیں اس لئے معارف کے جن مضامین کا انتخاب کیا جائے گا اس میں علمی و ادبی تنوع کا پایا جانا ناگزیر ہے۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ معارف کے چاروں ادارتی ادوار کے منتخب مضامین کو علمی و ادبی خانوں میں بانٹ کر الگ الگ جائزہ لیا جاتا یا ان کی جامعیت اور افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کم سے کم دس بیس علمی اور دس بیس ادبی مضامین کا بھی جائزہ لیا جاتا اور ان کے گوناگوں محاسن پر روشنی ڈالی جاتی لیکن سردست اس مہم کے لئے گنجائش نکالنا ممکن نہیں۔ فی الوقت صرف دو مضامین کے جائزے پیش کئے جارہے ہیں اور بطور مثال و علامت پیش کئے جارہے ہیں، ان میں سے ایک مقالہ علمی ہے اور دوسرا ادبی۔

۱۔ حیات امام مالک ــــ سید صباح الدین عبدالرحمٰن

۲۔ اشعار و قصائد کی دینی حیثیت ــــ مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری

ناظم جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر۔ نیپال

چونکہ معارف بنیادی طور پر تحقیقی اور تعمیری ذہن رکھتا ہے اس لئے اس کے زیادہ تر مضامین کی اہمیت اور افادیت ثابت ہے جیسا کہ مذکورہ بالا دو علمی و ادبی مضامین کے جائزوں سے بخوبی پتہ چل جائے گا ۔ ایک تحقیقی مضمون کو جتنا زیادہ موثر، حقائق سے قریب، اسناد و شواہد سے مزین، حوالہ جات سے پُر، زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور پُرمغز اور ہر دل و عام کے حق میں نافع و مفید ہونا چاہئے وہ ساری خوبیاں معارف کے بیشتر مضامین میں پائی جاتی ہیں ۔ اگر ادارہ معارف کی طرف سے یا کسی صاحب ذوق محقق کی طرف سے معارف کے ۸۳ سالہ مضامین (علمی و ادبی) کے انتخاب کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا سلسلہ چلایا جائے تو یہ ایک ضروری اور اہم قومی خدمت ثابت ہو سکتی ہے ۔

۱۔ حیات امام مالک ــــ سید صباح الدین عبدالرحمٰن [۱]

یہ مضمون دراصل سید سلیمان ندوی کے ایک تفصیلی مضمون (جو بعد میں چھپ کر کتابی صورت میں آ گیا) کا تعارف و تلخیص اور اس پر نقد و تبصرہ ہے ۔ سید صاحب نے اپنے دور طالب علمی میں جس وقت ان کی عمر ۲۳ سال تھی ندوۃ العلماء کے ترجمان الندوہ میں ۱۹۰۷ء میں 'حیات امام مالک' کے نام سے کئی قسطوں میں ایک مضمون لکھا اس میں اضافہ کر کے اس کو ایک مستقل تصنیف بنانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن اپنی دیگر مشغولیتوں کی بنا پر ایسا نہ کر سکے ، ان کے قلم کا مسافر جہاں رکا وہیں رکا رہ گیا ۔ اس کی افادیت کا خیال کر کے دارالمصنفین کے ابتدائی دور میں ۱۹۱۷ء میں اس کو کتاب کی صورت میں شائع کر دیا گیا جس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں ۔ دراصل اس کو لکھنے کے وقت سید صاحب کا اولین مقصد یہ تھا کہ اکابر اسلام کی سوانح عمریوں کے پردے میں علوم اسلامیہ کی تاریخ لکھی جائے اور اسی ضمن میں متعلقہ ضروری مسائل کی تشریح ہو جائے ۔ اس کے لکھنے کا خیال سید صاحب کو اس لئے بھی پیدا ہوا چونکہ اس وقت تک امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے حالات زندگی اردو زبان میں مستقل ہو چکے تھے ۔ [۲] لیکن امام مالک کے متعلق ایک حرف بھی اردو میں موجود نہیں تھا حالانکہ وہ فقیہ مدینۃ الرسول ، امام دارالہجرۃ اور بانی اول فن حدیث تھے ۔ اسی کے ساتھ مسلک حنفی کے علاوہ فقہ کے کے بقیہ تین مذاہب کے سلسلے ان ہی کی شاخیں ہیں ۔ اس کے لکھنے کی ایک اور وجہ سید صاحب یہ بھی بتاتے ہیں " علم حدیث کی ابتدائے طلب سے امام موصوف اور ان کی موطا سے بدرجۂ غایت عقیدت رہی ہے ، اسی کا اثر تھا جس نے مجھے اس فرض کے انجام دینے پر آمادہ کیا" [۳]

اس کے لکھنے میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان میں ۲۷ کتابوں کے ناموں کا اندراج اور حوالت موجود ہے ۔ کتاب کی ضخامت کل ۱۰۶ صفحات ہے مگر چونکہ اس کو لکھنے میں کم سے کم ۲۷ کتابوں کو ماخذ بنایا گیا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ سید صاحب کو اپنی طالب علمی کے زمانہ ہی سے تلاش و جستجو اور محنت و ریاضت کی عادت تھی ۔ باوجودیکہ یہ کتاب ۲۳ سال کی عمر میں لکھی گئی لیکن اس کا جو انداز بیان ہے اس سے یہ طالب علمانہ کوشش نہیں معلوم ہوتی اور اگر یہ نہ بتایا جائے کہ مصنف نے کس سن میں لکھی تو اس تحریر

کی متانت اور اسلوب کے وقار سے بظاہر یہ معلوم ہوگا کہ کسی سن رسیدہ اور تجربہ کار
مصنف کی محنت و کاوش کا نتیجہ ہے۔

سوانح نگاری کے فن کے لحاظ سے پہلے امام مالک کا نام اور نسب نامہ لکھا گیا ہے، پھر ان کے خاندان کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پردادا ابو عامرؓ عہد نبوی میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ خاندان یمن سے آکر مدینۃ النبیؐ میں آباد ہوا۔ حضرت امام مالک کے دادا مالک بن ابی عامر ایک جلیل القدر تابعی تھے، حضرت عثمانؓ سے قریبی تعلق رکھتے تھے، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور دیگر صحابۂ کبار سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ مالک بن ابی عامر کے ۳ بیٹے تھے انس، ربیع اور ابو سہیل نافع۔ امام مالک کے والد ماجد انس تھے جو وراثت علمی سے محروم تو نہ تھے لیکن اپنے بھائی ابو سہیل نافع کی طرح ایک بلند پایہ محدث نہ تھے۔

امام مالک ۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ امام ابو حنیفہ سے ۱۳ سال چھوٹے تھے۔ یہ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کا زمانہ تھا۔ امام مالک نے جب ہوش سنبھالا تو مدینۃ النبی کو قرآن اور سنت کا بہت بڑا خزینہ دار پایا۔ سید صاحب نے اس وقت کے فقہا، صحابۂ تلامذہ صحابہ اور تابعین کے نام لکھے ہیں جن کی وجہ سے مدینہ علم کا باغ و بہار بنا ہوا تھا۔ سید صاحب لکھتے ہیں "امام صاحب نے ان میں سے اکثر سے استفادہ کیا، اس طرح مدینہ کا جو علم متفرق سینوں میں پراگندہ تھا وہ اب صرف ایک سینہ میں مجتمع ہوگیا، اس لیے امام دار الہجرۃ ان کا لقب ہوا۔" ؎ امام مالک نے مدینۃ النبیؐ کے جن شیوخ سے حدیث سیکھی ان کے اسمائے گرامی سید صاحب نے درج کردئے ہیں، اس کے علاوہ انھوں نے مکہ، بصرہ، خراسان اور جزیرہ کے جن شیوخ احادیث کی روایت کی سید صاحب نے ترتیب وار ان کی صراحت بھی کردی ہے اور یہ تعداد ۹۴ ہے۔ یہ سب حقائق سید صاحب کے گہرے مطالعہ کی غماز ہیں۔ سید صاحب نے کتاب کے اس حصہ کو بہت مفید بنا دیا ہے جس میں وہ یہ بتاتے ہیں کہ کن کن اساتذہ سے کن کن اسباب کی بنا پر امام مالک نے درس حاصل کیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ ان ہی شیوخ کے حلقۂ درس میں بیٹھے جو صدق و طہارت میں معروف اور حفظ و فقہ میں ممتاز تھے، کبھی کسی غیر فقیہ کی مجلس میں نہیں بیٹھے۔

امام صاحب کی مجلس درس کی جو تصویر سید صاحب نے کھینچی ہے اس کا ماحصل

مندرجہ ذیل پہلوؤں سے کیا جا سکتا ہے :

۱۔ پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ ایسی درس گاہ کی کیا نوعیت تھی اور اس کے کیا آداب ہوتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے مجلس درس کی تہذیب کی مرقع آرائی اس طرح کرتے ہیں :

" امام صاحب کی مجلس درس ہمیشہ پرتکلف فرش اور بیش قیمت قالینوں سے آراستہ رہتی تھی۔ وسط مجلس میں شہ نشین تھی جس پر امام صاحب املائے حدیث کے موقع پر رونق افروز ہوتے تھے۔ جا بجا شرکائے مجلس کے لئے پنکھے پڑے رہتے تھے - جب حدیث کا درس ہوتا تو مجمر میں عود اور لوبان جلایا جاتا ، صفائی و نزاہت کا یہ عالم ہوتا کہ فرش پر ایک تنکا بھی بار خاطر ہوتا - جب حدیث نبوی کے املا کا وقت آتا پہلے وضو یا غسل کرکے عمدہ اور بیش قیمت پوشاک زیب تن فرماتے ، بالوں میں کنگھی کرتے ، اس اہتمام کے بعد مجلس علمی کی صدارت کرتے ۔ "۵

۲ - جب امام صاحب درس دیتے اس موقع کا نقشہ سید صاحب نے اس طرح کھینچا ہے :

" تمام لوگ سرنگوں خاموش مودب بیٹھتے تھے ، یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ بھی جب امام صاحب کی مجلس درس میں آکر شریک ہوتے تو وہ بھی اسی طرح مودب ہو کر بیٹھتے - اس وقت امام صاحب کی ادا سے شکوہ اور وقار کا اظہار ہوتا تھا - تمام مجلس پر ایک مقدس سکوت طاری رہتا تھا - امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ کتاب کے ورق بھی اس ڈر سے نہیں الٹتے تھے کہ کھڑکھڑاہٹ کی آواز نہ ہو ، جاہ و جلال اور شان و شکوہ سے کاشانہ امامت پر بارگاہ شاہی کا دھوکہ ہوتا تھا - طلبہ کا ہجوم ، مستفتیوں کا اژدہام ، امراء کا ورود ، علماء کی تشریف آوری ، سپاہیوں کا گذر ، حاضرین کی مودب نشست اور در خانہ پر سواریوں کا انبوہ دیکھنے والوں پر رعب و وقار طاری کر دیتا تھا ۔ "۶

۳ - مدینہ کے والی اور خود خلیفہ وقت ہارون رشید اپنی شان و شوکت کے باوجود امام صاحب کی مجلس درس میں کس قدر اپنے کو ہیچ سمجھتے اس کی کہانی بھی سید صاحب کے قلم کی زبانی سنئے :

" امام صاحب صاحب حکومت نہ تھے لیکن صاحب حکومت اس آستانہ پر جھکتے تھے - امام شافعی نے اپنی تعلیم کے لئے والی مدینہ کو بغرض سفارش جب در امامت پر لانا چاہا تو اس نے کہا " میرا کہاں وہاں گذر " ہارون رشید جب مدینہ آیا تو امام صاحب سے موطا کی سماعت کی خواہش ظاہر کی - امام صاحب نے فرمایا - کل کا دن اس کے لئے ہے - ہارون رشید منتظر رہا کہ امام صاحب خود دربار میں آئیں گے - کل کا دن آیا تو امام صاحب اپنی مجلس درس میں تشریف فرما ہے - ہارون رشید نے پوچھا تو فرمایا کہ علم کے پاس لوگ آتے ہیں ، لوگوں کے

پاس علم نہیں جاتا ۔ بالآخر ہارون رشید کو باایں جاہ و جلال خود امام صاحب کی مجلس میں حاضر ہونا پڑا ۔ مجلس میں عام و خاص کی تمیز نہ تھی ۔ ہارون نے جب اس درس کی شرکت کا ارادہ کیا تو کہا کہ عام لوگوں کو باہر کر دیجئے ۔ امام صاحب نے فرمایا "شخصی منفعت کے لئے عام افادہ کا خون نہیں کیا جا سکتا" ۔ [۷]

سید صاحب امام صاحب کے مسترشدین، مستفیدین اور تلامذہ کی فہرست دیتے ہیں جن میں خلفائے اسلام، امرائے بلاد، تابعین، شیوخ، ائمہ محدثین، ائمہ مجتہدین، قضاۃ، زہاد، صوفیائے کرام، ادباء، شعراء، مورخین، مفسرین اور فلاسفہ وغیرہ سب ہی شامل ہیں ۔ مشرق سے مغرب تک دنیائے اسلام امام صاحب کے آوازۂ شہرت سے معمور ہو گئی تھی ۔ مشرق میں سیستان اور مغرب میں قرطبہ کے ڈانڈے مدینۃ الرسول کی سرحد میں آکر مل گئے تھے ۔ [۸]

سید صاحب نے امام صاحب کا جائزہ ایک فقیہ کی حیثیت سے بھی لیا ہے ۔ انھوں نے اس سلسلہ میں فقیہ اور محدث کی تعریف اپنی اس کمسنی کے زمانہ میں جس موثر اور طاقتور انداز میں کی تھی اس پر بڑے سے بڑے علماء، فقہا اور محدثین اب بھی غور کر کے استفادہ کر سکتے ہیں ۔ لکھتے ہیں:

"ایک مفتی اور فقیہ کا فرض ایک محدث سے زیادہ ہے ۔ محدث صرف ایک سرمایہ دار ہے جبکہ فقیہ اس سرمایہ کو لے کر عام کاروبار میں آتا ہے ۔ کھرے کھوٹے کی تمیز، احکام کی تفریع، عموم کی تخصیص، نصوص کی تعمیم، مطلق کی تقیید، مقید کا اطلاق، ناسخ و منسوخ کی تفریق، اوامر و سنن کی ترتیب، احکام غیر منصوصہ کا قیاس، احکام کے علل و مصالح کی تلاش، ضروریات انسانی کے مطابق احکام شرعیہ کا اعلان، رعایا و حکومت کے لئے قوانین کی تدوین، یہ ایک فقیہ و مفتی کے عام وظائف ہیں جو ایک محدث محض کے رتبہ سے بلند تر ہیں ۔" [۹]

امام صاحب فتویٰ دینے میں جن اصول کے پابند تھے سید صاحب نے ان کی بھی تصریح کر دی ہے:

"ان سے جب کوئی فتویٰ پوچھا جاتا اور اس وقت اس جزئیہ کی اطلاع نہ ہوتی تو نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ فرماتے کہ لا ادری (میں نہیں جانتا) ۔ دوسرے شہروں کے مستفتی کو جواب دینے سے احتراز کرتے ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قرب و جوار میں مستفتی کو اپنی غلطی کی اطلاع دے سکتے تھے لیکن ممالک بعیدہ میں تغلیط کی اطلاع مشکل تھی ۔ مسائل و فتاویٰ کا جواب

ہمیشہ نہایت وقعت نظر اور کاوش فکر سے دیتے ، اگر کسی مسئلہ میں غلطی ہو جاتی اور کوئی اصلاح کر دیتا تو فوراً تسلیم کر لیتے تھے مگر جس بات کو صحیح سمجھتے اس کو اعلان کرتے اور اس پر جمے رہتے میں ہر قسم کی مصیبت اور آزمائشوں کو گوارا کرتے ۔ مثلاً اگر کوئی شخص زبردستی مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور اس نے ڈر کر بہ جبر و اکراہ طلاق دیدی تو امام صاحب کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی ، گو امام ابوحنیفہ اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی ۔ اس زمانہ میں مدینہ کا والی جعفر بن سلیمان تھا جو خلیفہ منصور کا چچا زاد بھائی بھی تھا ۔ اس نے امام صاحب کو حکم دیا کہ وہ ایسا فتویٰ نہ دیں لیکن امام صاحب نے علی الاعلان اس رائے کا اظہار کیا ۔ جعفر نے غضبناک ہو کر ان کو ستر کوڑے مارنے کا حکم دیا ۔ تمام پیٹھ خون آلود ہو گئی ، پھر اونٹ پر بٹھا کر شہر میں ان کی تشہیر کرائی مگر اس حالت میں بھی وہ کہتے جاتے کہ جو مجھ کو جانتا ہے وہ جانتا ہے ، جو مجھ کو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں ، فتویٰ دیتا ہوں کہ طلاق جبری درست نہیں ۔ خلیفہ منصور کو اس کی خبر ہوئی تو جعفر والی مدینہ کی یہ حرکت اس کو پسند نہ آئی اور اس کو معزول کر کے گدھے پر سوار کر کے بغداد طلب کیا اور امام صاحب کو معذرت کا خط لکھا لیکن امام صاحب کو جعفر سے کوئی کد نہیں ہوئی اور فرمایا کہ پیغمبر خدا ؐ کی خاطر اس کو معاف کرتا ہوں ۔

ان کے دو کام تھے : المصحف والتلاوۃ ۔ وہ جمعہ کی شب عبادت و اطاعت میں مشغول رہتے ۔ مہینہ کی پہلی تاریخ کو شب زندہ دار رہتے ۔ مسجد نبوی ؐ میں شور و غل پسند نہ فرماتے ۔ کلام نبوی ؐ اس وقت تک زبان پر نہ لاتے جب تک وضو یا غسل فرما کر با ادب نہ بیٹھ جاتے ۔ اصطبل میں کثرت سے گھوڑے اور خچر تھے مگر کبھی مدینہ کی گلیوں میں ان پر سوار ہو کر نہ نکلے ۔ فرماتے تھے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ جو سرزمین قدوم نبوی ؐ سے مشرف ہوئی ہے اس کو میں جانوروں کے سموں سے روندوں ۔ ذات نبوی ؐ کی محبت اور حدیث نبوی کے شغل و انہماک کے سبب سے کوئی شب ایسی نہیں گزری جس میں عالم رویا میں زیارت نبوی کا شرف حاصل نہ ہوتا ۔ ان کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ ایک بار امام شافعی کو لیکر اصطبل کا ملاحظہ کر رہے تھے ۔ امام شافعی نے بعض گھوڑوں کی تعریف کی تو تمام اصطبل ان کی نذر کر دیا ۔ امام شافعی کو وہ ہر سال گیارہ ہزار دینار مرحمت کرتے تھے ۔ آداب مجلس حدیث نبوی ؐ کے ضمن میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک بار موزہ میں بچھو تھا ، بے خبری میں پہن لیا اور مجلس درس میں آکر بیٹھ گئے ۔

بچھو نے متواتر ۱۷ بار ڈنک مارا لیکن آداب مجلس کے خیال سے پہلو تک نہ بدلا۔ وہ برابر خلفاء کے دربار میں آتے جاتے رہے۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو فرمایا —— اگر نہ جاؤں تو نطق حق کا موقع کہاں ملے۔ اعلان حق کی خاطر منصور اور ہارون رشید کو ڈانٹ دینے میں تامل نہ کرتے۔ منصور کے دربار کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی دربار میں آتا تو خلیفہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا، امام صاحب نے کبھی یہ ذلت گوارا نہیں کی۔ امام صاحب کو جو خصوصیات حاصل تھیں ان میں یہ کیا کم ہے کہ مدینہ مطہرہ کی خاک پاک جسم مبارک کا عنصر تھی لیکن اس سے بھی زیادہ مزید شرف یہ ہے کہ مسکن وہ تھا جو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا مکان تھا اور مجلس و نشست گاہ وہ تھی جو حضرت عمر فاروقؓ کا دولت خانہ تھا۔ اس بنا پر امام مالک نہ صرف علم و معارف فاروقی کے وارث تھے بلکہ ان کی جائیداد ظاہری کا بھی خدا نے انھیں وارث بنایا۔ [10]

سید صاحب نے امام صاحب کی تصنیفات کا ذکر کیا ہے اور موطا کے علاوہ ۱۱ کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ امام صاحب کی اصلی تالیف موطا ہے جو قرآن پاک کے بعد کتب خانہ اسلام کی دوسری کتاب ہے۔ اول کلام اللہ اور ثانی کلام رسول اللہ ﷺ۔ [11] سید صاحب موطا کی تالیف کا صحیح زمانہ تو متعین نہیں کر سکے لیکن یہ لکھ گئے ہیں کہ ایک روایت ہے کہ امام مالک نے منصور ہی کی ایماء پر موطا کی تالیف شروع کی تھی اور فرمائش کی تھی کہ اس مجموعہ احکام میں نہ ابن عمرؓ کی سختیاں ہوں، نہ ابن عباسؓ کی رخصتیں ہوں اور نہ ابن مسعودؓ کے شواذ۔ [12] موطا کی وجہ تسمیہ بہت سی بتائی جاتی ہے لیکن سید صاحب کا خیال ہے کہ موطا سے مراد وہ پامال راستہ ہے جس پر آنحضور ﷺ اور آپ کے تمام صحابہ گزرے۔ یہ ان مسائل پر مشتمل ہے جن پر صحابہ کا عمل رہا اور جمہور سلف جن پر چلے ہیں۔ [13] موطا کی نوعیت کی وضاحت کرتے ہوئے سید صاحب لکھتے ہیں کہ ابتداءً اس میں دس ہزار حدیثیں تھیں لیکن امام صاحب کے خامۂ صحت پسند نے تقریباً آٹھ ہزار قلم زد کر دیں۔ باقی ۱۷۲۰ ہیں جن میں مسند اور مرفوع ۶۰، مرسل ۲۳۵، موقوف ۶۱۳، تابعین کے اقوال و فتاویٰ ۲۸۵، بلاغات مالک ۵ [14]

سید صاحب موطا کی مندرجہ ذیل خوبیوں کو بیان کر کے اس کو حدیث کی کتابوں میں نمایاں اور امتیازی اہمیت دیتے ہیں:

۱ ۔ موطا کا موضوع صرف احکام فقہیہ ہیں اس لئے وہ سیکڑوں ابواب و فصول جو بخاری مسلم ترمذی میں نظر آتے ہیں موطا ان سے خالی ہے کیونکہ فقہیات سے ان کو کوئی تعلق نہیں ، اس بنا پر محدثین کی اصطلاح کے مطابق اس کو کتاب السنن کہنا چاہئے ۔[15]

۲ ۔ موطا کے مقابلے میں مسند ابی حنیفہ ، مسند شافعی اور مسند ابن حنبل ہیں لیکن یہ ان ائمہ کی خود لکھی ہوئی نہیں ہیں ، ان کے بعد مرتب ہوئیں جبکہ موطا کو خود امام مالک نے لکھا ۔

۳ ۔ موطا سے پہلے جو حدیث کی کتابیں لکھی گئیں ان کا منبع زیادہ تر صحابہ و تابعین کے آثار و فتاوی تھے جبکہ موطا میں احادیث صحاح ، مسند یا منقطع و مرسل کو بنائے اول اور آثار و فتاوی کو بنائے ثانی قرار دیا گیا ہے ۔

۴ ۔ موطا میں صرف اسی حدیث یا فتوے نے جگہ پائی ہے جس کو صحت کا شرف حاصل ہے ۔

۵ ۔ موطا مدینہ میں تالیف ہوئی ۔ اس کے رواۃ حجازی ہیں ۔ جبکہ دیگر مسانید اور موطائیں کوفہ بصرہ شام اور یمن وغیرہ میں تالیف ہوئیں ۔ اور اس بات پر تمام علمائے حدیث کا اتفاق ہے کہ حجاز کی حدیثیں صحت ، قوت اور جودت میں سب پر فائق ہیں ۔[16]

۶ ۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں کلام اللہ کے بعد جو کتاب آئی وہ کلام الرسول کا یہی صحیح ترین مجموعہ تھا ۔

۷ ۔ اس کی روایت کرنے والے جس پایہ کے لوگ ہیں وہ بخاری اور مسلم کے نہیں ہیں

۸ ۔ بخاری و مسلم کی روایتیں عموماً پانچ چھ واسطوں سے مروی ہیں جبکہ موطا کی حدیثیں تین چار واسطوں سے زیادہ کی نہیں ہیں ۔

امام بخاری کو اپنی ۲۰ ثلاثیات پر ناز ہے جبکہ موطا کی بنیاد ہی ثلاثیات پر ہے ۔ اس کے علاوہ اس کے ۴۰ ثنائیات ہیں ۔

سید صاحب کی کتاب "حیات امام مالک" کے ضمن میں نامور فاضل ڈاکٹر حمید اللہ پیرس (جن کا ابھی کچھ دنوں قبل انتقال ہو گیا) کا مندرجہ ذیل قول سند کی حیثیت رکھتا ہے :

"اس کتاب کو لکھے ہوئے کم و بیش ۱۰۰ برس ہو گئے لیکن اب بھی مفید معلومات کا ماخذ بنی ہوئی ہے ۔ اگر کوئی اس سے بہتر کتاب لکھنے کی کوشش کرے گا تو وہ اسی کے ایجاز کا اطناب ہوگا ۔"

۱؎ معارف دسمبر ۱۹۸۵ء

۲؎ مثلاً مولانا شبلی کی تصنیف 'سیرۃ النعمان'

۳؎ دیباچہ 'حیات امام مالکؒ' — سید سلیمان ندوی

۴؎ تا ۱۶؎ حیات امام مالکؒ — سید سلیمان ندوی سے حوالے علی الترتیب
ص ۸ + ص ۳۲ + ص ۳۲ + ص ۳۳ + ص ۳۶ + ص ۴۳
+ ص ۸۰ + ص ۸۴ + ص ۸۷ + ص ۸۹ + ص ۸۹ + ص ۸۹
+ ص ۹۰

عہ

۲۔ اشعار وقصائد کی دینی حیثیت ــــ مولانا عبد الرؤف رحمانی جھنڈا نگری

یہ مضمون معارف کی تین سلسلہ وار قسطوں میں شائع ہوا ہے اور نہایت مفید و معلومات افزا مضمون ہے جس کو تین حصوں میں بانٹ کر سمجھا جا سکتا ہے ۔ پہلے حصہ میں شعر وشاعری کی حیثیت اسلام کی نگاہ میں کیا ہے اور خود نبی کریم ؐ نے اس کو کیا درجہ دیا ہے، نیز صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور مشاہیر امت کو شعر وشاعری سے کس حد تک دلچسپی تھی ۔ دوسرے حصہ میں شعرائے کرام کی غیر معمولی قدردانی اور ان کے تئیں داد و دہش کے واقعات بیان کئے گئے ہیں ۔ تیسرے حصہ میں برصغیر کی نامور ہستیوں کے شعری ذوق اور فن شعر وشاعری سے واقفیت کی مثالیں دی گئی ہیں ۔ درمیان میں جگہ بہ جگہ شعراء کے اشعار سے حیرت انگیزی اور اثر پذیری کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے ۔ اول الذکر دو حصوں کی خاص باتوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے :

ــــ امام بیہقی لکھتے ہیں کہ ایسے اشعار جو نصیحت آموز ہوں اور اسلامی تعلیمات پر مشتمل ہوں ان کا پڑھنا سننا سب مشروع ودرست ہے ۔ [۱۸]

ــــ بیہقی میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ نبی کریم ؐ نے فرمایا اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً (بعض اشعار میں دانائی کی باتیں ہوتی ہیں) لہٰذا دراصل ایسے ہی بصیرت افروز، علم آموز اشعار شریعت کی نظر میں مستحسن ہیں ۔ [۱۹]

ــــ نبی کریم ؐ کا ارشاد ہے الشعر بمنزلة الكلام حسنه كحسن الكلام وقبيحه كقبيح الكلام [۲۰] (اشعار بھی گفتگو کی مانند ہوتے ہیں ۔ جیسے بعض کلام اچھے ہوتے ہیں ویسے ہی بعض اشعار بھی اچھے ہوتے ہیں اور جس طرح بعض کلام برے ہوتے ہیں بعض اشعار بھی قبیح و ناپسندیدہ ہوتے ہیں ۔)

ــــ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں الشعر منه حسن ومنه قبيح خذ بالحسن ودع بالقبيح [۲۱] (اشعار اچھے اور برے ہر قسم کے ہوتے ہیں تو تم کو اچھے اشعار کا انتخاب کرنا چاہئے اور ناپسندیدہ کو ترک کر دینا چاہئے)

ــــ آنحضرت ؐ اشعار کو سنتے اور پسند فرماتے تھے اور اس سلسلہ میں اپنے ذوق لطیف کا اظہار بھی فرماتے [۲۲]

ــــ استیعاب میں عہد نبوی ؐ کے شعراء کا مفصل تذکرہ ہے ۔ حسان بن ثابت رض، عبداللہ ابن رواحہ رض اور کعب بن مالک رض دربار نبوت کے شعراء مخضرمین (اچھے شعراء) میں شمار کئے جاتے تھے ۔ [۲۳]

ــــ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ؐ مجھ سے اکثر فرماتے ما فعلت ابیاتك [۲۴] (تمہارے شعر کیا ہوئے؟)

میں عرض کرتی ابی ابیاتی تریدیا رسول اللہ فانھا کثیرۃ (میرے بہت سے اشعار ہیں آپ کس قسم کا شعر سننا چاہتے ہیں) فیقول فی الشکر (آپؐ فرماتے وہ اشعار سناؤ جو خدا تعالیٰ کی شکر گزاری میں ہیں) لیں میں سب ارشاد آپ کو سناتی [24]

— امام بخاری ادب المفرد میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ کعب بن مالک کے اشعار و قصائد کے علاوہ دوسرے شعراء کے اشعار بھی مجھ کو حفظ تھے ۔ [25]

— عرب میں عورتیں بھی عموماً شاعرہ ہوتی تھیں ۔ خنساء ایک بلند پایہ شاعرہ تھیں ۔ آنحضورؐ ان سے فرمائش کرکے اشعار سنتے اور ان کے اشعار کو بہت پسند فرماتے تھے ۔ وہ سناتی جاتی تھیں آپ فرماتے ھیہ یا خنساء (اے خنساء ابھی اور سناؤ ۔) [26]

— سبعہ معلقہ کے مشہور شاعر لبید بن ربیعہ کے ان اشعار کو آنحضرتؐ خود بھی پڑھتے اور ان کی تعریف کرتے ہوئے کہتے کہ یہ کتنے سچے اور اچھے اشعار ہیں :

الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل + وکل نعیم لا محالۃ زائل

وکل امرئ یوماً سیعلم سعیہ + اذا کشفت عند الالہ المحاصل

(اللہ کے سوا ہر چیز معدوم ہونے والی اور تمام نعمتیں زوال پذیر ہونے والی ہیں ۔ اور قیامت میں جب ہر شخص کے عمل کا نتیجہ ظاہر ہوگا تو اسے اپنی کوشش کی قدر و قیمت معلوم ہو جائے گی ۔) [27]

— ایک صحابی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضورؐ کے ساتھ تھا تو آپؐ نے امیہ ابن ابی صلت کے اشعار سنانے کی مجھ سے فرمائش کی ۔ چنانچہ میں سنانے لگا تو آپ کا یہ حال تھا کہ ہر شعر کے بعد فرماتے کہ اور سناؤ ۔ یہاں تک کہ میں نے ۱۰۰ اشعار سنائے ۔ [28]

ان روایتوں سے حضورؐ کے ذوق لطیف کا اندازہ ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ آپ اچھے اشعار سننے کے مشتاق رہتے تھے نیز صحابہ کرام اچھے اشعار کو نوک زبان رکھتے تھے ۔

— بیہقی میں حضرت عمر فاروقؓ کے اس سفر حج کا واقعہ موجود ہے جس میں ان کے ساتھ حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ اور حضرت عبیدہ بن الجراحؓ بھی تھے ۔ جب ان دونوں نے حضرت شاعر سے ضرار کے اشعار سنانے کے لئے کہا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا تم خود اپنے اشعار سناؤ ۔ چنانچہ وہ خود اپنے ہی اشعار صبح تک ان حضرات کو سناتے رہے [29]

ہر زمانے کے شعراء کی قدردانی اور انعام واکرام کے موضوع پر مضمون نگار نے بہت عمدہ واقعات سے مضمون کو سجایا ہے :

— حضرت عمرؓ نے حطیہ شاعر کی ہجو گوئی پر اس کو قید کردیا ۔ اس نے چند شعروں کے ذریعے رہائی کی درخواست کی کہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کے ایک نگہبان کو آپ نے قید میں ڈال دیا ہے القیت کاسبھم فی قعر مظلمۃ + فارحم ھداک علیک الناس یاعمر (آپ نے بچوں کے ایک کمانے والے کو تاریک جیل خانہ میں ڈال رکھا ہے ۔ اے عمر تو رحم کر ، خدا تیری ہدایت کرے ۔) حضرت عمر نے لوگوں کی بدگوئی نہ کرنے کا عہد لیکر اس کو آزاد کردیا ۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اشعار ہی سے میری کمائی ہوتی تھی جسے آپ نے روک دیا ۔ اس پر علقمہ بن علاثہ کے پاس آپ ایک سفارشی خط لکھ دیجئے انھوں نے بعض صحابہ سے مشورہ کے بعد علقمہ کو خط لکھدیا مگر جب خط لیکر وہاں پہونچا تو لوگ علقمہ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوکر واپس آرہے تھے ۔ حطیہ نے اس کے لڑکے کو حضرت عمر کا خط دیا ۔ لڑکے نے پوچھا کہ اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو تم کو ان سے ملنے کی کیا امید تھی ۔ اس نے کہا کہ ۱۰۰ ایسی اونٹنیاں جن کے پیچھے ان کی اولاد بھی ہوتی ۔ لڑکے نے یہ سنتے ہی ۱۰۰ بچوں والی اونٹنیاں اس کے حوالے کردیں ۔ ص۳۰ "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" کے ایسے مظاہرے پھر کہاں نصیب ہوں گے ۔

— ایک دفعہ حج میں ہشام بن عبدالملک طواف کے بعد حجر اسود کا بوسہ دینا چاہتا تھا لیکن کثرت اژدھام کے سبب نہ دے سکا تو ایک اونچے مقام پر امرائے شام کے ساتھ جاکر الگ بیٹھ گیا ۔ یکایک امام زین العابدین علی بن حسین آئے جو بہت خوبصورت تھے اور جن کے بدن سے خوشبو نکلتی تھی انھوں نے بڑے سکون و اطمینان سے طواف کیا اور جب حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے بڑھے تو لوگوں نے ان کی عظمت و احترام اور تقدس کی بنا پر جگہ خالی کردی ۔ یہ منظر رؤسائے شام کے سامنے ہوا ۔ ایک سردار نے پوچھا کہ یہ کون جلیل القدر ذات ہے ۔ ہشام نے کہا لا اعرفہ (مجھے خبر نہیں) مشہور شاعر فرزدق وہاں موجود تھا ۔ اس سے رہا نہ گیا اور فی البدیہہ ۲۵ اشعار کا قصیدہ پڑھا جس کے چند اشعار یہ ہیں :

هذا الذی یعرف البطحا وطأته + والبیت یعرفه والحل والحرم
هذا ابن خیر عباد الله کلهم + هذا التقی النقی الطاهر العلم

(یہ وہ شخص ہے جس کو ساری دنیا پہچانتی ہے اور بیت اللہ، اہل حرم اور ارض پاک بطحا کے لوگ جس کا صدق دل سے احترام کرتے ہیں۔ اسے خلق اللہ میں سب سے بہتر ہستی کی اولاد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ وہ صلاح و تقویٰ اور پاکیزگی و پاکبازی میں مشہور ہیں۔)

ہشام ابن عبد الملک کو سن کر سخت برہم ہوا اور فرزدق کو جیل میں ڈال دیا۔ امام زین العابدین کو خبر پہونچی تو انھوں نے بارہ ہزار درہم فرزدق کو انعام بھجوا دیا۔ [31]

— ابن خلکان نے لکھا ہے کہ شعرائے اسلام میں جریر ایک نامور شاعر گزرا ہے۔ ایک بار عبد الملک بن مروان کے دربار میں اس نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں صرف ایک شعر میں دودھ سے سیرابی کی تمنا کا اظہار کیا تھا۔ عبد الملک گاؤ تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ جیسے شعر کو سنا

الستم خیر من رکب المطایا + واندی العالمین بطون راح (کیا جتنے لوگ سواریوں پر سوار ہوتے ہیں ان میں تم سب سے بہتر نہیں ہو اور کیا سخاوت و فیاضی کے اعتبار سے پوری دنیا کے سب سے بڑے سخی تم لوگ نہیں ہو۔) تو عبد الملک اٹھ بیٹھا اور کہا کہ بنو کلب کی سو دودھ والی اونٹنیاں تم کو کافی نہ ہوں گی۔ جواب دیا بہت کافی ہوں گی۔ پھر جریر نے کہا کہ امیر المومنین نحن مشائخ فلو امرت لی بالرعاء (ہم مشائخ لوگ ہیں، آپ ان کے لئے چرواہے بھی عنایت فرمائیں) تو آٹھ چرواہے مل گئے۔ عبد الملک کے سامنے سونے کے بڑے بڑے پیالے تھے۔ ان کو بھی دودھ کا برتن بنانے کے لئے عنایت فرما دیا [32]

— مروان بن ابو حفصہ نے معن بن زائدہ کی وفات پر مرثیہ کہا۔ خاتم وقت جعفر برمکی نے بلا کر پوچھا کہ معن کی اولاد نے تجھ کو اس مرثیہ خوانی پر کچھ دیا۔ شاعر نے کہا کہ کچھ نہیں۔ پھر پوچھا کہ اگر معن زندہ ہوتا تو تجھے ان شعروں پر کیا دیتا؟ اس نے کہا کہ تقریباً 100 اشرفی۔ جعفر برمکی نے کہا کہ معن اور زیادہ دیتے۔ یہ کہہ کر حکم دیا کہ مکان روانہ ہونے سے پہلے ایک ہزار چھ سو اشرفی میرے خزانچی سے لے لینا۔ [33]

— خلیفہ مہدی نے مروان بن ابو حفصہ کو ہر شعر پر ہزار درہم دیا۔ اس طرح ستر شعروں پر ستر ہزار درہم نقد ملا ہوا۔

— علامہ یافعی کہتے ہیں کہ ایک عباسی خلیفہ نے صرف ایک بیت پر خوش ہو کر تین لاکھ کی ایک تھیلی شاعر زمان مروان بن ابوحفصہ کو دے ڈالا۔ [35]

— یزید بن حاتم (حاکم افریقہ) کی تعریف میں ایک شاعر نے دو شعر پڑھے :

یا واحد العرب الذی + اضحیٰ ولیس لہ النظیر
لو کان مثلک آخر + ما کان فی الدنیا فقیر

(اے عرب کے واحد فرد اور بے مثال شخص! اگر تمہارے مانند کوئی اور بھی دوسرا شخص ہوتا تو دنیا میں کوئی فقیر و محتاج نہ رہ جاتا۔) یزید نے اپنے خزانچی کو بلایا اور پوچھا کہ خزانہ میں کتنی رقم ہے؟ اس نے کہا کہ سونے اور چاندی کے سکے اور سلیں ملاکر بیس ہزار اشرفی کی مالیت ہے۔ یہ سن کر خزانچی سے کہا کہ سب ان کو دیدو۔ شاعر سے کہا — یا اخی معذرۃ الی اللہ تعالیٰ ثم الیک واللہ لو کان فی ملکی غیرھا لما ادخرتھا (اے بھائی یہ میری معذرت قبول کرو کہ اس سے زیادہ میرے پاس اس وقت کچھ نہیں ہے ورنہ اگر کچھ اور ہوتا وہ سب کچھ تمہارے حوالے کر دیتا۔) [36]

الغرض اس طویل مضمون کی تینوں قسطیں محیر العقول اور عبرت انگیز واقعات اور معلومات افزا تفصیلات سے بھری پڑی ہیں جن کا مطالعہ کرنے سے ہی صحیح لطف حاصل ہو سکتا ہے۔

---

[17] معارف جولائی ۱۹۸۴ء ص ۴۶ تا ۶۱
+ معارف اگست ۱۹۸۴ء ص ۱۲۳ تا ۱۳۴
+ معارف ستمبر ۱۹۸۴ء ص ۲۱۱ تا ۲۲۰

[18] + [19] بیہقی جلد ۵ ص ۶۸ + ۶۹

[20] + [21] الادب المفرد ص ۱۲۵ + ۱۲۷

[22] استیعاب لابن عبدالبر جلد ۱ ص ۳۱۳

[23] بیہقی جلد ۱۰ ص ۲۴۱

[24] معجم طبرانی بحوالہ استیعاب تذکرہ عائشہ رضہ

[25] الادب المفرد ص ۱۲۷

[26] استیعاب کتاب النساء ص ۴۲۴

[27] صحیح بخاری جلد ۱ باب ایام الجاہلیہ ص ۵۴۱
+ استیعاب جلد ۱ ص ۲۲۸

[28] مسند احمد جلد ۴ ص ۳۹۰

[29] بیہقی جلد ۵ ص ۶۵

[30] تا [36] حوالے علی الترتیب مرآۃ الجنان ا سے
ص ۳۹۳ + ص ۲۳۹ + ص ۲۳۷
+ ص ۳۳۰ + ص ۳۹ + ص ۳۹
+ ص ۳۹۹